ماہنامہ نفاذ اردو

اگست ۲۰۲۳



www.tnupak.com, 03495059760

ماہنامہ نفاذ اردو   اگست ۲۰۲۳

خصوصی اشاعت تحریک پاکستان میں اردو کا کردار

زیر نگرانی : فرخندہ شمیم

مدیر اعلیٰ : عطاء الرحمن چوہان

مدیر : عالیہ بٹ

مدیران معاون

محمد اسلم نشتر۔ تسنیم کوثر۔

ماہ جبیں قیصر۔ ثروت اقبال

اس شمارے میں

www.tnupak.com, 03495059760



اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی رزق دیں اور تمہیں بھی، در حقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے۔ زنا کے قریب نہ پھٹکو، وہ بہت بُرا فعل ہے اور بڑا ہی بُرا راستہ ہے۔

قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے، پس چاہیے کہ وہ قتل میں حد سے نہ گزرے، اس کی مدد کی جائے گی۔

مال یتیم کے پاس نہ پھٹکو مگر احسن طریقے سے یہاں تک کہ وہ اپنے شباب کو پہنچ جائے۔ عہد کی پابندی کرو۔ بے شک عہد کے بارے میں تم کو جواب دہی کرنا ہو گی۔

(بنی اسرائیل 31-34)

اداریہ

تحریک پاکستان میں اردو کا کردار

گاندھی جی نے اردو مسلمانانِ برصغیر کی مذہبی زبان قرار دے کر ہندی کو پہچان دینے کی کوشش کی۔ اس سازش میں اوینٹل کالج کی مکار انتظامیہ نے رنگ بھرا اور اردو کو دیوناگری رسم الخط اور سنسکرت کی آمیزش سے ہندی زبان گھڑی گئی۔ یہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین پہلی دراڑ تھی، جس کو بروقت بھانپ کر سرسید احمد خان نے وائسرائے کو متنبیٰ کیا کہ جس طرح حکومت ہندی اور تنازعے کو ہوا دے رہی ہے، یہ بلآخر تقسیم ہندوستان کا سبب بنے گا۔ جب کہیں شنوائی نہ ہوئی تو سرسید نے اردو ڈیفینس کونسل قائم کرکے اردو کو بچانے کی کوشش کا آغاز کیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام بھی اردو ڈیفنس کونسل نے ہی قومی زبان اردو کے تحفظ کے لیے عمل میں لایا تھا، جو بتدریج برصغیر کے مسلمانوں کی نمائندہ سیاسی جماعت کا روپ دھار گئی۔

قیام مسلم لیگ سے قیام پاکستان تک اردو اس کا مستقل ایجنڈا رہا۔ قیام پاکستان کے بعد قائداعظمؒ اور شہید لیاقت علی خانؒ تک تو اردو پاکستان کی قومی اور سرکاری زبان رہی۔ قائد تحریک پاکستان کی شہادت کے بعد برطانوی استعمار کے آلہ کار ملک پر قابض ہوگئے اور انہوں نے قومی زبان اردو کو سرکاری ایوانوں سے ہندوؤں کی طرح دیس نکالا دے دیا۔ تب سے آج تک پاکستان ن پر انگریزی کا راج ہے۔ دستور سازی، عدالت عظمیٰ اور عالیہ کے فیصلوں، عوامی مطالبات اور مہمات کے باوجود مقتدر طبقہ انگریزی اور اس سے وابستہ مفادات کے تحفظ کے لیے پوری دیدہ دلیری سے دستور شکنی، توہین عدالت اور قانون کا مذاق اڑا رہا ہے۔

اس شمارے میں تحریک پاکستان میں قومی زبان اردو کے کردار پر مستند اہل قلم کی نگارشات شامل کی گئی ہیں تاکہ نئی نسل کو قومی زبان کی اہمیت سے آگاہ کیا جاسکے۔ تحریک نفاذ اردو پاکستان ایک جہد مسلسل کا نام ہے۔ تحریک کا ترجمان مجلہ ہر ماہ نئے عزم سے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ الحمدللہ ہر شعبہ زندگی کی طرف سے پذیرائی میں اضافہ ہو رہا ہے اور نیا خون تحریک کا حصہ بن رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں جلد نفاذ قومی زبان کا نعرہ عوام کی آواز بن کر ہر سو پھیل جائے گا اور امید ہے کہ مستقبل قریب میں ہم انگریزی کے ناجائز تسلط سے آزادی حاصل کرلیں گے۔

15۔ اگست 2023

تحریکِ پاکستان میں اردو زبان کا حصہ

وقار حسن

تحریکِ پاکستان برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی لازوال قربانیوں، بے مثال جذبے اور انمول جدوجہد کی تاریخی داستان ہے۔ تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ مسلمان ہر عہد میں اپنی الگ شناخت کے ساتھ اقوامِ عالم میں نمایاں اور منفرد حیثیت کے حامل رہے۔ عروج و زوال اور شکست وریخت کے کئی ادوار اور زمانے اس قوم نے دیکھے لیکن کبھی مایوسی کی گھٹائیں اور قنوطیت کے گہرے بادل تاریخ کے کسی موڑ پر بھی مسلمانوں کو کلمہ حق کہنے سے باز نہ رکھ سکے۔ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ ہر عہد میں مسلمان باقی مذاہب اور نظریات کے ماننے والوں سے تعداد میں کم ہونے کے باوجود اپنی منفرد شناخت کے ساتھ رہے۔ برصغیر میں بھی مسلمانوں کو عروج کے بعد زوال کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں پر مسلمانوں کو بیک وقت جن دو دشمن قوتوں کا سامنا تھا ان میں ایک انگریز سامراج اور دوسرا ہندو سامراج تھا۔ 1857ء کی جنگِ آزادی بظاہر مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر برطانوی راج کے خلاف لڑی تھی جس میں کامیابی نہ ہو سکی۔ مسلمانوں کی وسعتِ قلبی اور امن پرستی اس بات کی دلیل ہے کہ عرصہ دراز تک مسلمان ہندوؤں کے ساتھ مل کر برطانوی نو آبادیاتی نظام سے چھٹکارا حاصل کرنے کی سعی کرتے رہے۔ لیکن وقت نے آخر کار ظاہر کر دیا کہ ہندو مسلمانوں کے حمایتی نہیں بلکہ وہ تو فقط اپنی ''اکھنڈ بھارت سوچ'' کے تحت مسلمانوں کو استعمال کرتے رہے اور درحقیقت اس نے مسلمانوں کے ساتھ آستین کے سانپ کا سلوک برتا۔ انگریز تو پہلے ہی مسلمانوں کی شناخت کو ختم کرنے کے درپے تھے۔ اس ضمن میں اس نے کوئی حربہ نہ چھوڑا تھا، انگریزوں کی مسلمان دشمنی صرف ہندوستان کے سیاسی حالات کی وجہ سے نہ تھی بلکہ رومن ایمپائر کی شکست سے صلیبی جنگوں تک اور قسطنطنیہ سے لے کر اندلس تک پھیلی ہوئی تاریخ سے اثر و فروغ پاتی تھی۔

1857ء کے بعد جب ہندوؤں کو واضح ہوا کہ وہ کبھی متحدہ ہندوستان پر اپنا راج قائم نہیں کر سکتے تو انہوں نے مکار سوچ کو بروئے کار لاتے ہوئے انگریز سرکار کی قربت حاصل کر لی اور انگریزوں کو مسلمانوں کے خلاف مزید اکسانا شروع کر دیا جس کا جواز وہ یہ پیش کرتے تھے کہ 1857ء کی بغاوت مسلمانوں نے کی تھی جو کہ سراسر ان کا من گھڑت جھوٹ تھا۔ ہندوؤں نے جلد ہی برطانوی راج کو مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہونے کے لیے آمادہ کر لیا اور دوسری طرف ہر وہ حربہ استعمال کیا جس سے مسلمانوں کی شناخت ختم ہو۔ ہندوؤں نے یہ جنگ ہر محاذ پر لڑی۔ انہوں نے اقتصادی و معاشی، تہذیبی و ثقافتی، علمی و ادبی الغرض ہر میدان میں مسلمانوں کی

بالواسطہ اور بلاواسطہ شناخت کو ختم کرنے کی کمر توڑ کوشش کی-اردو زبان جس کا ضمیر مسلمانوں کی آمد سے برصغیر کی بولیوں اور مسلمانوں کی زبانوں عربی، تُرکی اور فارسی کے امتزاج سے تیار ہوا تھا اور مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں ہی اس زبان نے پرورش پائی، اپنے ارتقائی سفر کو طے کیا اور مسلمانوں کے دورِ سلطنت میں ہی برصغیر کی مقبول ترین زبان بن کر ابھری اور مسلمانوں کی شناخت بن گئی-کیونکہ اس زبان میں کثیر تعداد عربی اور فارسی الفاظ کی تھی اور اس کا رسم الخط بھی عربی اور فارسی کی طرز پر تھا-اس وجہ سے کم فہم اور تنگ نظر ہندوؤں نے اس کو مسلمانوں کی زبان کہ کر اس کے مقابلے میں ہندی کو لا کھڑا کیا-تاریخ پاکستان کے طالب علم جانتے ہیں کہ قیامِ پاکستان کی بظاہر وجوہات میں اردو ہندی تنازعہ بھی ایک اہم اور بنیادی وجہ تھی-زبان ایک ثقافتی عنصر ہے-کسی قوم کی زبان اس کے مافی الضمیر کے اظہار اور اس کی تہذیب و ثقافت کی علمبردار ہوتی ہے-برصغیر میں رہنے والے مسلمانوں کی انیسویں اور بیسویں صدی میں زبان اردو ہی تھی-کیونکہ برطانوی سامراج کی آمد سے فارسی زبان کا خاتمہ ہو چکا تھا-اب مسلمان اپنی آواز جس میں زبان میں بلند کر رہے تھے وہ اردو ہی تھی جو عوام اور خواص ہر دو میں مقبول تھی-

اردو زبان کے ساتھ لگاؤ اور انس شروع ہی سے مسلمانوں میں موجود تھا-حضرت امیر خسرو، مسعود سعد سلمان سے لے کر ولی دکنی اور میر و غالب جیسے شاعر اسی زبان سے وابستہ تھے-اسی طرح مسلمانوں کے عربی اور فارسی علم و ادب کا اب اردو زبان میں ترجمہ ہو رہا تھا-اس سرمائے اور اپنی شناخت کی حفاظت مسلمانوں کا ملی اور قومی فریضہ تھا-دوسری طرف تنگ نظر ہندو سوچ اردو زبان کے خاتمے اور ہندی کو فوقیت دلانے سے دو قومی نظریے کے واضح ثبوت مہیا کر رہی تھی-

اردو زبان کے خلاف اس محاز آرائی کا آغاز بنارس سے ہوا پھر الہ آباد میں ایک مجلس قائم کی گئی-رفتہ رفتہ اس کیلیے کمیٹیاں، مجلسیں اور سبھائیں مختلف ناموں سے قائم ہو گئیں-اس میدان میں بالخصوص تعلیم یافتہ ہندو طبقہ سرگرم عمل تھا-اس ضمن میں محمد علی چراغ اپنی کتاب اکابرینِ تحریک پاکستان میں رقمطراز ہیں:

”سر انتونی میکڈونلڈ نے متحدہ صوبہ جات کا گورنر بنتے ہی صوبہ بہار سے اردو کو ختم کر کے اس کے بجائے ہندی کو سرکاری زبان قرار دے دیا تھا-اس عمل سے مسلمانوں کے جذبات کو شدید ٹھیس پہنچی تھی-اردو چونکہ برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کی ایک طرح کی شناخت کا ذریعہ تھی اس لئے مسلمانوں نے اس مسئلے سے سنجیدگی سے نمٹنا شروع کیا“-[1]

اس سازش کے خلاف مسلمانوں کی طرف سے جو پہلا قدم اٹھایا گیا وہ ”اردو ڈیفنس ایسوسی ایشن“ کا قیام تھا-اس کے علاوہ ایک اور اہم ادارہ جس نے اس بے سروسامانی میں اردو زبان کے تحفظ کا بیڑا اٹھایا وہ ”انجمن ترقیِ اُردُو" تھا جو جنوری 1902ء میں قائم ہوا-تحریک علی گڑھ سے وابستہ اہل قلم نے تحفظِ زبانِ اردو میں اہم کردار ادا کیا-اکابرینِ تحریک پاکستان نے اردو زبان کی حفاظت دو قومی نظریے کی شناخت کے طور پر کی-یہ تنازعہ بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں مسلم لیگ کے قیام کے بعد تک رہا-لیکن آہستہ آہستہ ہندوؤں کو واضح ہو گیا کہ مسلمان برصغیر کی منفرد شناخت رکھنے والی قوم ہے ان کی تہذیب و ثقافت کو کبھی پامال نہیں کیا جا سکتا-اس کے

ساتھ اردو زبان لسانی اور قومی حوالہ سے مسلمانوں کی وہ شناخت بن چکی تھی جو قیامِ پاکستان تک دشمنوں کو چبھتی رہی- اردو ہندی تنازعہ کا تذکرہ "بابائے اردو" مولوی عبدالحق نے ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"برعظیم میں انگریزوں کی حکومت کے قیام کے بعد جو سب سے بڑا سانحہ ہوا وہ یہ ہے کہ اس ملک میں انہوں محکوم قوم کی زبان سنسکرت اور ہندی ہی کو سب کچھ سمجھ لیا تھا---ہندو اردو کو محض اس لیے رد کرتے تھے کہ یہ مسلمانوں کی زبان تھی اور اس کے علاوہ اردو زبان ہندو سماج کی نمائندگی کرنے کی بجائے اسلامی معاشرت کی نمائندگی کرتی تھی- لہٰذا ہندوؤں نے اس کے مقابلے میں ہندی کو لا کھڑا کیا تھا- حالانکہ اس سے پیشتر برعظیم کی زبان فارسی تھی- یہی وجہ ہے کہ ایک عہد تک اسی زبان کی ترویج و ترقی اور فروغ کیلیے ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں اور چینیوں نے بھی کام کیا- پھر مسلمانوں میں عام لوگوں سے بڑھ کر صوفیاء کرام نے بھی اس مد میں اہم خدمات انجام دیں- اُردو کو قوت بخشی اور اسے بجا طور پر محفوظ کرنے کا فریضہ ادا کیا- 1857ء کے بعد تو چونکہ اردو ہندی تنازعہ اردو اور مسلمانوں کے خلاف ایک بہت بڑا حربہ بن گیا تھا- اس لیے واضح طور پر ہندوؤں کے لیے ہندی زبان اور مسلمانوں کے لیے اردو زبان ان کی دو سیاسی امتیازی نشان اور قومی علامتیں بن گئی تھیں"-[2]

اُردو ہندی تنازعہ لسانی سے بڑھ کر اب سیاسی نوعیت حاصل کر چکا تھا- جہاں پر مسلمان دو قومی نظریہ کی بات کرتے تھے وہاں اُردو زبان کا تحفظ لازمی جزو بن چکا تھا- بالآخر برصغیر میں مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ کا قیام 1906ء میں انہی لوگوں کے ہاتھوں عمل میں آیا جو دفاعِ اردو زبان کے لیے 4 دہائیوں سے لڑ رہے تھے- جن میں نمائندہ نام نواب وقار الملک، نواب محسن الملک، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خان وغیرہ کے ہیں- آریہ سماج تحریک جو دفاعِ ہندی اور مخالفتِ اردو میں پیش پیش تھی مسلم لیگ کے قیام کی بنیادی وجہ بنی- اس عہد کے برصغیر میں اردو کے علاوہ بھی بہت سی علاقائی زبانیں اور بولیاں بولی جا رہی تھیں- جن میں پنجابی، سرائیکی، پشتو، سندھی، بلوچی، ہندی اور بھاشا وغیرہ تھیں لیکن برصغیر کے مسلمانوں کی اجتماعی طور پر نمائندہ زبان "اُردو" ہی تھی- اُردو زبان کا تحریکِ پاکستان میں حصہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے- اگر یہ کہا جائے کہ اردو زبان اور دو قومی نظریہ لازم و ملزوم تھے تو بجا ہو گا- اس ضمن میں ڈاکٹر مجیب احمد اپنے ایک مقالہ میں رقم طراز ہیں:

"قیامِ پاکستان سے قبل برصغیر کے طول و عرض کے خطے اور مختلف علاقائی زبانیں رکھنے کے باوجود الگ وطن کے لیے اُردو کو بحیثیت قومی زبان تسلیم کرتے ہوئے مسلمانانِ ہند نے تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور قیامِ پاکستان کو ممکن بنایا- تحریکِ پاکستان کے دوران الگ زبان "اردو" دو قومی نظریے کا ایک بڑا اور بنیادی حوالہ تھی"-[3]

مسلم لیگ کے متعدد اجلاسوں میں اردو زبان کی ترقی، تحفظ اور اس کو قومی زبان تسلیم کرنے کے لیے قراردادیں منظور ہوئیں- مسلم لیگ کی 4 دہائیوں پر مشتمل جدوجہد کا نتیجہ پاکستان ہے- تحریکِ پاکستان کے پورے سفر میں رابطہ کی زبان اردو رہی- عوام الناس تک مسلم لیگ کا پیغام زیادہ تر اردو زبان میں ہی پہنچتا تھا-

قائد اعظمؒ جو کہ اردو زبان سے زیادہ علاقہ نہ رکھتے تھے - آپؒ بھی اکثر اپنی تقاریر میں اردو زبان کو استعمال فرماتے تھے -ایک طرف حکومتِ برطانیہ تک پیغام رسانی کیلیے مسلم لیگ کی طرف سے اہم خبریں انگریزی زبان میں شائع ہوتی لیکن عوام الناس کے لیے ان کا اُردو ترجمہ بھی کیا جاتا تھا- جس کی واضح مثال قرار دادِ لاہور (قرار دادِ پاکستان) کی ہے جس کا متن انگریزی زبان میں تھا-لیکن عوام الناس کی سہولت کے لیے جلسہ کے دوران ہی مولانا ظفر علی خان نے قرار داد کا اردو ترجمہ بھی پیش کیا- مصورِ پاکستان حضرت علامہ اقبال سے لے کر بانیٔ پاکستان قائد اعظم تک تحریک پاکستان کا ہر فرد اردو زبان سے محبت کرتا تھا اور اس زبان کی ترقی اور تحفظ کے لیے برسرِ پیکار رہا- قرار دادِ پاکستان کا تاریخی جلسہ جس نے پاکستان کی دھندلی تصویر کو بالکل عیاں کر دیا تھا اس جلسہ کے سٹیج پر جو مسلمانوں کے لیے پیغام لکھا گیا تھا وہ بھی مصورِ پاکستان کا اردو زبان میں یہ شعر تھا:

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں

ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

ایک طرف تحریک پاکستان میں عوامی رابطہ کی زبان اردو تھی اور تقاریر، جلسے اور ریلیوں میں نظریہ پاکستان کی تبلیغ بھی اسی زبان میں ہو رہی تھی جبکہ دوسری طرف ادبی محاذ پر بھی ہمارے شاعر اور ادیب اردو زبان میں نظریہ پاکستان کا تحفظ کر رہے تھے- معروف دانشور ڈاکٹر مُعین الدین عقیل لکھتے ہیں:

"برعظیم کے مسلمانوں میں اجتماعی روح پیدا کرنے، ان کے ملی اور قومی شعور کو بیدار کرنے، اسے تقویت دینے اور سیاسی انتشارات کی مختلف تباہیوں اور بربادیوں کے بعد ان کے مردہ دلوں کو حرارت سے آشنا کرنے میں اردو زبان و ادب نے جو اہم کردار ادا کیا، وہ بہت مؤثر اور نتیجہ خیز ثابت ہوا"-[4]

"انقلاب زندہ باد" سے

"لے کر رہیں گے پاکستان

بن کے رہے گا پاکستان"

بٹ کے رہے گا ہندوستاں

کے نعرے اردو زبان میں لگائے جاتے رہے اور اسلامیانِ ہند کی دھڑکنوں کا ترانہ "مُسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ" بھی اُردو زبان میں گائے جاتے رہے- اُردو زبان کے ان شاعروں اور ادیبوں کی فہرست طویل ہے جنہوں نے تحریک پاکستان میں اپنے قلم کے ذریعے کردار ادا کیا- ان میں سے بہت ہی اہم شخصیات اور ان کی خدمات ہیں جو انہوں نے اردو زبان میں دیں، کو بطور حوالہ دیا جاتا ہے- تحریکِ پاکستان میں اردو زبان کے جس شاعر کا سب سے اہم اور ناقابلِ فراموش کردار رہا وہ مصورِ پاکستان ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ ہیں- ان کی نظم و نثر نظریہ پاکستان کی عکاس اور محافظ ہے- بالخصوص آپؒ نے اپنی اردو شاعری کے ذریعے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کر کے نویدِ صبح کا پیغام دیا- مسلمانوں پر آنے والے کٹھن حالات میں واحد امید کی آواز حکیم الامتؒ کی ہی تھی-

اگر عثمانیوں پہ کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے

کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

آپؒ نے اپنے کلام کے ذریعے مسلمانوں میں عشقِ مصطفیٰ (ﷺ) کے جذبہ کو پیدا کیا دین اسلام سے محبت کو اجاگر کیا اور ان کو اپنی حقیقت سے آگاہ ہونے کا درس دیا۔ آپؒ کے کلام کا غالب حصہ فارسی میں ہے لیکن جو پذیرائی آپ کے اردو کلام کو تحریک پاکستان کے دوران ملی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپؒ کے اردو کلام کو ترنم کے ساتھ جلسوں میں پڑھا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ نظریہ پاکستان کا پرچار کرنے والے مقررین آپؒ کے اشعار کے ذریعے لوگوں کے جذبات اور حوصلوں کو بڑھاتے تھے ان کے اندر آزادی کی تڑپ پیدا کرتے ان کے قلب کو گرماتے انہیں لیلائے آزادی کے حصول کیلیے تڑپنے اور پھڑکنے کا قرینہ بتلاتے۔ جس طرح مسلمانوں کی نمائندہ سیاسی جماعت کل ہند نسل لیگ کے بنیاد گزار اردو زبان سے وابستہ شاعر اور ادیب تھے اسی طرح مسلمانوں کے لیے علیحدہ سلطنت کا پہلی بار مطالبہ بھی اردو زبان کے عظیم الشان شاعر علامہ محمد اقبالؒ نے 1930ء میں کیا۔ علامہ اقبال کی فکر و ولولہ سے لبریز شاعری نے مسلمانانِ برعظیم کے اجتماعی سیاسی شعور کو جِلا بخشی۔ انہیں فکر و عمل کی نئی نئی راہیں دِکھائیں۔ علامہ اقبال کے انقلابی افکار نے مسلمانوں کو حریت پسندی اور آزادی کا سبق دیا اور انہیں زندگی کا شعور بخشا ہے۔

علامہ اقبالؒ کے بعد جو شاعر تحریک آزادی کے سرخیلوں میں شمار ہوتا ہے اردو دنیا اسے رئیس المتغزلین مولانا حسرت موہانی کے نام سے جانتی ہے آپ تحریکِ پاکستان کے بڑے جوشیلے اور جانثار رہنما تھے۔ آپ بیک وقت سیاسی راہنما ہونے کے ساتھ اُردو زبان کے اعلیٰ پائے کے شاعر بھی تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں برطانوی سامراج کے خلاف بڑی بے باکی سے لکھا جس کی وجہ سے آپ کو کئی بار جیل یاترا کرنا پڑی۔

ہے مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کے طبیعت بھی
ہر چند ہے دل شیدا حریت کامل کا
منظور دعا لیکن ہے قید محبت بھی

شاعری کے ساتھ ساتھ آپ صحافتی میدان کے گل سرسبد تھے تحریک آزادی میں بالفعل شامل رہے۔ وہ اردو زبان میں اپنا پرچہ ''اردوئے معلیٰ'' نکالتے تھے۔ جس میں حریت، حب الوطنی اور انگریز حکومت سے آزادی کے متعلق مضامین چھپتے تھے۔ آپ نے اردو نظم و نثر کے ذریعے نظریہ پاکستان کا پرچار بری جرأت اور بے باکی سے کیا۔ آپ مسلم لیگ کی طرف سے اسلامی دنیا اور مشرقی و مغربی یورپ میں بطور سفیر بھی گئے۔ مولانا ظفر علی خان نے بھی اردو شاعری اور صحافت کے ذریعے تحریک پاکستان میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ مسلم لیگ کے بنیاد گزاروں میں ہونے کے ساتھ ساتھ قائد اعظمؒ کے دستِ راست رہے۔ آپ شعلہ بیان مقرر اور عہد ساز لکھاری تھے۔ اس عہد کے سب سے زیادہ اشاعت والے اردو اخبار ''زمیندار'' کو آپ کی سرپرستی حاصل تھی۔ اردو زبان میں شائع ہونے والا یہ اخبار تحریک پاکستان کے دوران مسلم عوام کی امنگوں اور امیدوں کا حقیقی ترجمان تھا۔ اس اخبار پر بھی انگریز حکومت نے پابندیاں عائد کیں اور مولانا ظفر علی خان کو جیل کی سزا بھی بھگتنا پڑی۔ لیکن ''زمیندار'' اخبار قیام پاکستان تک مسلمانوں کے جذبات اور احساسات کی ترجمانی کرتا رہا۔ ''زمیندار'' پر پابندی کے دوران آپ سیاسی مقاصد کے لیے ''ستارہ صبح'' کے نام سے بھی اخبار اردو زبان میں شائع کرتے رہے۔ اس کو بھی بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔

آپ شعر و ادب سے بھی گہرا شغف رکھتے تھے - آپ کو نظم و نثر دونوں میں مہارت تامہ حاصل تھی - آپ کی اردو زبان میں لکھی گئی سیاسی اور اسلامی موضوعات پہ مبنی شاعری نے مسلمانوں کے جذبہ آزادی کو خوب پروان چڑھایا- مولانا کا مشہورِ زمانہ شعر آج بھی قوتِ ایمانی میں اضافے کا سبب بنتا ہے:

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

مولانا الطاف حسین حالی کی نظم "مد و جزر اسلام"۔ المعروف بہ مسدس حالی تاریخ شناسی کا ذریعہ بھی ہے اور ہماری ملی تاریخ کا پر درد نوحہ بھی یہ ماضی کا دریچہ ہے حال کا آئینہ ہے اور مستقبل کا منظر نامہ ہے قومی حمیت کو بیدار کرنے اور اقدارِ اسلامی کو اپنا کر دوبارہ زندہ قوم بننے کا درس دیا- اس کے علاوہ آپ نے مشاہیر اسلام کی اردو زبان میں سوانح عمریاں لکھیں جو مسلمانوں کیلیے اپنے قائدین سے آگہی کا بہترین سبب بنیں - علماے دیوبند نے اردو تفاسیر اور شروحات احادیث نبویہ کے ذریعے علوم اسلامیہ کے فروغ میں لازوال کردار ادا کیا شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کی تفسیر عثمانی اور مولانا اشرف علی تھانوی کی بیان القرآن اردو زبان کے دین ذخیرے میں سر فہرست ہیں۔

مولانا امام احمد رضا خان بریلویؒ کی اُردو شاعری نے بھی اسلامی فکر کے نئے دریچے کھولے، ایسے ایسے گلہائے عقیدت نکھارے کہ مدحتِ مصطفیٰ (ﷺ) کی ذیل میں اہلِ ایمان کے قلوب کو منور کیا۔ طوالت کے باعث تحریک پاکستان میں اہلِ زبان اردو کا کردار فرداً فرداً زیرِ بحث لانا ممکن نہیں اس لیے اردو زبان و ادب سے تعلق رکھنے والے ان مشاہیر کے نام درج کیے جاتے ہیں جنہوں نے اردو زبان کو ذریعہ اظہار بنا کر تحریک پاکستان میں اپنا کردار ادا کیا-

اردو شاعروں کے ساتھ ساتھ اردو نثر نگاروں نے بھی اردو زبان کی ترویج کا بیڑا اُٹھایا اس ضمن میں عبد الحلیم شرر، نواب محسن الملک، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خان، عبد المجید سالک، مولوی عبد الحق اور احمد ندیم قاسمی وغیرہ کے نام اہم ہیں- ان لوگوں نے مضامین، ناول، افسانہ، ڈراما اور کالم نگاری کے ذریعے مسلمانوں کو دو قومی نظریے سے روشناس کروایا اور ان کے تخلیقی کام درخشندہ ماضی سے آگہی کا ذریعہ بنا۔

تحریک پاکستان کے دوران اہل صحافت بھی کسی طور پیچھے نہیں رہے اردو زبان میں بے شمار اخبارات، رسائل اور جرائد شائع ہوتے رہے جو نظریہ پاکستان اور تحریک پاکستان کی تائید میں لکھے جاتے تھے - ان اخبارات اور رسائل میں تہذیب الاخلاق، آگرہ اخبار، ردِعیسائیت، شمس الاخبار، ناصر الاخبار، احسن الاخبار، دلگداز، اتحاد، مہذب، پیسہ، وکیل، اردوئے معلیٰ، زمیندار، الہلال، ہمدرد، کامریڈ، ایمان، احسان، منشور، تنویر، نوائے وقت، سرحد، ملت، الاسلام، جمہور اور تنظیم کے نام قابل ذکر ہیں- اس ضمن میں ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں:

"یہ اخبارات ان لاتعداد اخبارات میں سے ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی تحریکیوں کو وسعت اور کامیابی سے ہمکنار کیا- ان میں قومی اور ملی شعور اجاگر کیا اور حصولِ پاکستان کی اہمیت اور ضرورت کی وضاحت کی"-[5]

مذکورہ بالا تمام اخبارات اور جرائد اردو زبان میں شائع ہوتے تھے- تحریک پاکستان میں اردو شاعری اور افسانوی وغیر افسانوی نثر کا حصہ اظہر من الشمس ہے صاحب طرز ادیبوں نے اس ضمن میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں

بانیٔ پاکستان قائدِ اعظمؒ بظاہر اردو زبان کا استعمال بہت کم کرتے تھے- وہ اپنی تقریر و تحریر کے لیے زیادہ انگریزی زبان کا استعمال کرتے تھے- لیکن اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت اس بات کا اندازہ لگالیا تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں کے اتحاد کیلیے ان کی مشترکہ زبان اردو ہی ہے اور یہ زبان ہی ان کے دل کی آواز ہے کہ اسی زبان میں وہ اپنا مافی الضمیر بیان کرنا پسند کرتے ہیں- قائدِ اعظمؒ کی صدارت میں مسلم لیگ کا پہلا اجلاس 1916ء میں ہوا تو اس میں قرارداد پیش کی گئی کہ اردو زبان کو ملکی زبان تسلیم کیا جائے تو آپؒ کی صدارت میں یہ قرارداد منظور ہوئی- اسی طرح مسلم لیگ کے پچیسویں اجلاس میں جو لکھنو میں منعقد ہوا قائدِ اعظمؒ کے زیرِ نگرانی ایک بار پھر اردو کی حمایت میں قرارداد منظور کی گئی تھی- آپؒ اردو زبان میں خاصی دلچسپی رکھتے تھے اور اس کو سیکھنے کی کوشش بھی کرتے رہے-

"اب تک قائدِ اعظم انگریزی کے ذریعے اظہارِ خیال کرتے رہے تھے- حتیٰ کہ اردو کی حمایت میں انہوں نے جو آواز بھی اٹھائی وہ انگریزی ہی میں ہوا کرتی تھی- اس کی نمایاں وجہ یہ تھی کہ انہیں انگریزی زبان تو بخوبی آتی تھی، اردو تحریر و تقریر کی کماحقہ صلاحیت نہ تھی- لیکن محمد علی جناح عوامی جزبات واحساسات کا گہرا ادراک رکھنے والے عظیم رہنما تھے عبقری ذہنیت کے ساتھ ساتھ کرشماتی شخصیت کے مالک تھے وہ جانتے تھے کہ عوام کی زبان اردو ہے--- چنانچہ انہوں نے یہ زبان سیکھنے اور اس میں تقریر کا ملکہ پیدا کرنے کی پوری پوری کوشش کی اور اس میں انہیں بھرپور کامیابی نصیب ہوئی اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ کل ہند مسلم لیگ کے چھبیسویں اجلاس منعقدہ پٹنہ دسمبر 1938ء میں میں انہوں نے اپنی انگریزی تقریر کے فوراً بعد اردو زبان میں رواں اور پُر اثر تقریر کی اس اجلاس میں پہلی مرتبہ عوامی سطح پر قائدِ اعظم کی آواز اردو زبان میں گونج اٹھی"-[6]

قائد اعظمؒ اردو زبان کے ساتھ گہرا لگاؤ رکھتے تھے قاید محترم اسے برصغیر کے مسلمانوں کی زبان تسلیم کرتے تھے اسی لیے آپؒ نے اپنے تاریخی 14 نکات میں بھی مسلمانوں کی زبان (اردو) کے تحفظ کا مطالبہ کیا- انگریزی میں تقریر کرنے کا اصل مقصد انہوں نے اپنی 30 اکتوبر 1947ء کی ریڈیو پاکستان پر تقریر میں واضح فرمایا:

"اب تک میں نے انگریزی میں تقریر کی ہے- اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت پوری دنیا کی نگاہیں پاکستان پر لگی ہوئی ہیں اور آزادی کے بعد مختلف اقوامِ عالم ہم میں دلچسپی لے رہی ہیں، لہٰذا میں نے انگریزی کا سہارا لیا تاکہ تمام دنیا کے لوگ ہماری بات سن سکیں"-[7]

آپؒ کے اردو زبان سے لگاؤ کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ پاکستان میں مختلف علاقائی زبانوں کی موجودگی میں انہوں نے 3 لاکھ سے زائد کے مجمع کے سامنے 21 مارچ 1948ء کو ڈھاکہ میں واضح اعلان فرمایا:

"مَیں آپ پر یہ واضح کردینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان صرف اردو ہوگی"-[8]

اُردو زبان کو قومی زبان قرار دیتے ہوئے آپؒ نے ڈھاکہ میں ہی 24 مارچ 1948ء کو فرمایا:

"ملک کے مختلف صوبوں کے مابین رابطہ پیدا کرنے کیلیے ایک اور صرف ایک ہی زبان قومی زبان قرار پائے گی اور وہ اُردو ہو گی"۔[9]

مشرقی پاکستان کے لوگوں نے اپنے قائد کے فرمان کو تسلیم کیا تھا حالانکہ مشرقی پاکستان کے لوگ جہاں پر بنگالی زیادہ بولی جاتی تھی چند ایک شر پسند عناصر کے علاوہ سب نے محمد علی جناحؒ کی اس بات کا خیر مقدم کیا۔ مشرقی پاکستان کے لوگوں کی قائدِ اعظم اور مادرِ ملت سے محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ 1965ء کے صدارتی انتخابات میں فاطمہ جناح کو ڈھاکہ سے زیادہ برتری حاصل ہوئی تھی ایوب خان کے مقابلہ میں مادرِ ملت کو 154 ووٹوں کی اکثریت حاصل ہوئی بانی پاکستان کے فرمودات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ تحریک پاکستان کے دوران اردو زبان ابلاغ کا ذریعہ بنی رہی اور مسلمانوں کی واحد نمائندہ زبان رہی بانئ پاکستان نے اسی کو پاکستان کی قومی اور سرکاری زبان کا درجہ دیا۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی قومی زبان کے تحفظ اور ترقی کے لیے ممکنہ وسائل کو بروئے کار لائیں اور آئینِ پاکستان کے آرٹیکل 251 پر عمل کرتے ہوئے اردو کو پاکستان میں بطور سرکاری زبان لاگو کریں۔

کسی درد دل رکھنے والے صاحب قلم نے کیا دل خراش حقیقت رقم کی ہے

؎ ابھی تہذیب کا نوحہ نہ لکھنا

ابھی کچھ لوگ اردو بولتے ہیں

---

[1](محمد علی چراغ، اکابرینِ تحریک پاکستان، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ص:213)

[2](ایضاً، ص:373)

[3](ڈاکٹر مجیب احمد: قومی زبان اردو اور پاکستان کی سیاسی جماعتوں کے منشورات-ایک تجزیاتی مطالعہ)
(http://nlpd.gov.pk/ilmofun/2.php)

[4](ڈاکٹر معین الدین عقیل، مسلمانوں کی جدوجہدِ آزادی، لاہور: مکتبہ تعمیرِ انسانیت، 1984، ص:206)

[5](ایضاً، ص:205)

[6](ڈاکٹر معین الدین عقیل، منتخباتِ اخبارِ اردو، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1988، ص:94)

[7](ایضاً)

[8](ایضاً، ص:95

[9](ایضاً)

تحریک پاکستان میں اردو کا کردار۔ پروفیسر توقیر سید

1857 کے حالات وواقعات کو کوئی بھی نام دیا جائے لیکن یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہندو بظاہر مسلمانوں کا ساتھ دیتا دکھائی دیتا تھا لیکن حقیت میں وہ انگریزوں کے ساتھ درپردہ سازشوں میں شریک تھا جو مسلمانوں کے خلاف کی جارہی تھیں ان سازشون میں ایک اہم اور خطرناک



سازش یہ بھی تھی کہ مسلمانوں کی زبان فارسی اور اردو کو اس ملک سے دور کر دیا جائے اور اس کی جگہ ہندی اور انگریزی رائج کی جائے اس کا مقصد مسلمانوں کو کمزور کرنا اور ان کے حقوق سلب کرنا تھا اس لیے کہ کسی بھی قوم کو ہم خیال رہنے کے لیے ایک رابطے اور واسطے کی ضرورت ہوتی ہے اور سب سے اہم رابطہ اور واسطہ اس قوم کی زبان ہوتی ہے ہندو اور انگریز مسلمانوں سے یہ واسطہ اور یہ رابطہ چھین لینا چاہتے تھے جس کے لیے تیاریاں عروج پر تھیں جن کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔

زبان قدرت کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اور ایک قوم کا محبت بھائی چارے اور یکجہتی کی رسی کے ساتھ باندھ کے رکھتی ہے اگر یہ رسی ٹوٹ جائے تو قوم منتشر ہو جاتی ہے یہ قوت اور قومیت اور تہذیب کو یک جان رکھتی ہے برصغیر کے مسلمانوں کی زبان اردو تھی جس نے

سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

اگرچہ برصغیر میں مختلف ادوار میں مختلف مسلمان حکمران حکومت کرتے رہے اور ان کی زبان فارسی تھی اس لیے فارسی کا اثر برج بھاشا پر بھی پڑا اور اس میں بھی فارسی کے بہت سے الفاظ شامل ہو گئے اور وقت کے ساتھ ساتھ مغلیہ دور میں ہی اس برج بھاشا میں اتنے الفاظ دوسری زبان کے شامل ہو گئے کہ ایک نئی زبان کا تاثر ملنے لگا اور اس مختلف زبانوں کا ایک آمیزہ سا بن گیا اور اس کو لشکری زبان کا نام دے دیا گیا اور بعض ماہرین کہتے ہیں کہ لشکر کو ترکی زبان میں اردو کہتے ہیں اس لیے یہ زبان اردو سے موسوم ہو گئی مختلف ادوار میں اردو کو مختلف ناموں سے پکارا جاتا تھا ریختہ بھی اردو کا ہی ایک نام تھا اس کے ساتھ اردوئے معلیٰ بھی اس کا نام رکھا گیا اردوئے حضرت بھی کہا جانے لگا اور ہندوی بھی اس کا ایک نام تھا اس لیے کہ جو لوگ افغانستان سے آتے ہوئے اٹک کے قریب سے دریائے سندھ کو پار کرتے تھے تو وہ یہ کہتے تھے او ہند یعنی اس طرف دریا کے پار ہندوستان ہے اور اس کی زبان ہندوی ہے وغیرہ وغیرہ قصہ مختصر یہ کہ ایک طویل مسافت کے بعد آخر کار اس مشترکہ زبان کا نام اردو پڑ گیا ور آج تک اسی نام سے جانی پہچانی جاتی ہے اور اس وقت اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق اردو دنیا کی تیسری بڑی زبان ہے اور ایک جائزے کے مطابق دنیا میں جو تین زبانیں سب سے زیادہ بولی جاتی ہیں ان میں ایک اردو بھی ہے۔

غرض کئی ایک زبانوں کا مرکب یہ زبان اس قدر نکھری کی اس نے اپنی ایک الگ پہچان بنالی اور اپنا ایک خاص مقام حاصل کر لیا اگرچہ

اس میں ہندی کا کومل لہجہ عربی کا خطیبانہ آہنگ بھی فارسی کا کروفر بھی شامل ہے اور انگریزی کے جدید خیالات بھی ترکی پشتو سنسکرت بھی اس میں اپنا حصہ ڈال چکی ہے اور بلوچی کا دبنگ لہجہ بھی اس میں موجود ہے اس لیے پاکستان میں اس وقت یہی زبان ہے جو سب کو ایک رسی میں پرو کر رکھے ہوئے ہے آپ کسی بھی علاقے میں چلے جا ئیں آپ کو اپنا نکتہ نظر سمجھانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی اور آپ آسانی کے ساتھ اپنی بات دوسرے تک پہنچا سکتے ہیں اور اس کی بات سمجھ سکتے ہیں۔

بڑصغیر میں اردو کے ارتقاء کے لیے اولیاء کرام اور محققین نے نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں اسے دور کو اردو کا مذہبی دور کہا جائے تو بے جانہ ہو گا اس کے بعد بیجاپور سے ادبی اردو کا آغاز ہوا اور دہلی میں سیاسی ہلچل کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت بھی بڑھتی چلی گئی اور اٹھارھویں صدی میں اس کو ایک خاص مقام حاصل ہو گی اس دور کو اردو کے فروغ کا دور کہا جاسکتا ہے اس دور میں شاہ مبارک ناجی شاہ حاتم کی شاعری نمایاں ہو کر سامنے آئی تو اردو کا رنگ اور بھی نکھر گیا انیسویں صدی کو ذوق غالب اور مومن کا دور کہا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس دور میں قران مجید کے اردو میں تراجم بھی ہوئے اور 1857 کی جنگ آزادی کے بعد سرسید نے اس میں مضامین کا اضافہ کر کے ایک نئی جہت عطا کی اور اس کے ساتھ ہی افسانہ سوانح عمری اور تاریخ سیرت نگاری اور دیگر کئی اصناف اس میں شامل کر دی گئیں۔ بیسویں صدیکا دور بلاشبہ اقبال کا دور کہا جاسکتا ہے علامہ محمد اقبال نے اپنی اردو شاعری سے مسلمانوں کے دلوں کو گرمایا اور یہ کلام تحریک پاکستان کی جان بنا اور مسلمانوں نے کلام اقبال سے ایک ایسا سبق سیکھا جس سے حصول آزادی کی منزل قریب تر ہو گئی اس طرح تحریک آزادی میں اردو نے ایک اہم کردار ادا کیا جس کا سہرہ لامحالہ علامہ اقبال کے سر ہے۔ علامہ اقبال نے مسلمانوں کی یکجہتی کی منزل کا پتا دیا اور یہ ان کا ہی خاصہ ہے کہ انھوں نے قیام پاکستان کے لیے اردو کو ذریعہ بنایا اور ایسی ایسی شاعری کی کہ قوم خوب غفلت سے یکدم جاگ اٹھی ورنہ ہندو اور انگریز مسلمانوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ ان کو ہوش آئے۔

دو قومی نظریے کی بنیاد بھی اردو کے ساتھ لازم و ملزوم تھی ہندوؤں کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ جب تک اردو موجود ہے مسلمان متحد رہیں گے اس لیے اردو سے ان کی جان چھڑائی جائے اس کے لیے انھوں نے انگریزوں کے ساتھ سازباز کی ہندو سمجھتے تھے کہ یہ زبان مسلمانوں کی یکجہتی کی علامت بن چکی ہے اور یہ قیام پاکستان تک دشمنوں کے سینوں میں ایک تیر کی طرح چبھتی رہی ہندو اردو زبان کا خاتمہ اسی لیے چاہتا تھا کہ یہ مسلمانوں کی زبان ہے اور اس کی جگہ ہندی کو رائج کرنے کے لیے کوشاں تھا اور اس کام کے لیے وہ کچھ بھی کر گزرنے کے لیے تیار تھا چناں چہ اس مشن کو پورا کرنے کے لیے اس نے کئی ایک قسم کے ادارے اور تنظیمیں بنالیں جو اردو کے خلاف برسرپیکار ہو گئیں جب مسلمانوں نے دیکھا کہ ہندو اصل میں انگریز کا پٹھو بن چکا ہے تو انھیں اردو کی حفاظت کا انتظام کرنے کی سوچ پیدا ہوئی اور مسلمان اہل زبان نے اردو کی حفاظت کے لیے ادارے قائم کیے جن میں انجمن ترقی اردو نے بہت اہم کردار ادا کیا۔

وقت کے ساتھ ساتھ اردو ہندی کا تنازعہ سیاسی رنگ پکڑ تا گیا اور اب سیاسی طور پر بھی ہندو نے اردو کے خلاف نبرد آزما ہونے کی ناکام کوشش شروع کر دی۔ مسلمان جب بھی دو قومی نظریے کی بات کرتے وہیں اردو کے تحفظ کا ذکر بھی کرتے تھے اب اردو دو قومی نظریے کا ایک حصہ بن چکی تھی۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ اپنے تشخص کو قائم رکھا ہے ان کی تعداد بھلے ہی دوسروں سے کم ہوتی لیکن ان کی ایک خاص پہنچان کو دشمن بھی تسلیم کرتا تھا۔ برصغیر کی بات کی جائے تو

یہاں مسلمانوں نے ایک طویل عرصے تک مضبوط حکومت کی تھے او رجیسا کہ کہاجاتاہے ہر کمالے رازوالے اس طرح مسلمانوں کو بھی زوال کامنھ دیکھناپڑا قطع نظر اس کے کے قصور کس کا تھا۔ اس زوال کے بعد مسلمانوں کو دو دشمنوں سے مقابلہ کرناپڑاایک ہندواور دوسرا انگریز۔ ہندواگرچہ بظاہر مسلمانوں کے ساتھ کھڑے دکھائی دیتے تھے لیکن درحقیقت مسلمانوں کی جڑیں کاٹنے میں مصروف تھے اور سازباز کرتے رہتے تھے۔ بعض اوقات مسلمانوں کو علم ہو جاتا تھااور اکثر اوقات لاعلم رہتے تھے اور ہندواپنے مقاصد میں کامیاب ہو جا تے تھے۔ اسی طرح انگریز بھی مسلمانوں کے دشمن بنے ہوئے تھے یہاں یہ بھی بتاتے چلیں کہ ہندواس لیے بھی ترقی کر رہا تھا کہ اس نے انگریزی سیکھ لی تھی اور انگریز یہ سمجھتا تھا کہ جو ہماری زبان سیکھ رہاہے وہی ہمارا دوست ہے۔ ہندوؤں کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ ہم اب ہندوستان میں کبھی حکومت نہیں کر سکیں گے اس لیے اس نے مکاری کی اور انگریز کے ساتھ روابط بڑھانے شروع کر دیے جب کہ مسلمان اپنے آپ میں گم رہے اور دنیا کی سیاست سے بے خبر رہے جس کی وجہ سے ایک بڑا نقصان اٹھاناپڑا لیکن سر سید نے مسلمانوں میں ایک جوش اور ولولہ پیدا کیا اور اقبال نے اس کو مزید نکھارا۔

اردوزبان انیسویں صدی میں مسلمانوں کی تشخص کانشان بن چکی تھی اور قیام پاکستان کی تحریک میں اس کا ایک اہم کردار سامنے آچکا تھا۔

اردوہزار قافلہ چہروں کی گرد ہے
اردونوائے گُل کی طرح رہ نورد ہے
اردولسانیت کی دنیامیں فرد ہے
اردوولی ہے میر ہے سوداہے درد ہے
اردوزبان آتش وناسخ کی پیاس ہے
اردونہاد ذوق ہے، غالب اساس ہے۔

غرض اردو کے خلاف سازش کا محاذ سب سے پہلے بنارس میں قائم ہوا اس کے بعد الہ آباد میں ایک مجلس کا قیام عمل میں آیااور اس طرح یہ سلسلہ چل نکلااور کئی ایک قسم کی مجلسیں سجائیں اور تنظیمیں عمل میں آتی گئیں جو اردو کی بیخ کنی کرنے میں پیش پیش تھیں لیکن مسلمانوں نے ان سازشوں کے خلاف جو پہلا قدم اٹھایااس میں اردو ڈیفنس اسوسی ایشن کا قیام تھااس کے ساتھ ہی 1902 میں انجمن تحفظ اردو کا ادارہ قائم ہوااسدور میں مسلمان کسمپرسی کے عالم میں جی رہے تھے اور کوئی خاص معاونت اس سلسلے میں مسلمانوں کو حاصل نہ تھی ا س کے باوجود انھوں نے تحفظ اردو کا بیڑا اٹھایا۔ اس طرح تحریک پاکستان اردو کی معیت میں اگے بڑھتی چلی گئی اور آخر کار مسلمانوں نے ایک آزاد ملک حاصل کر لیا

قائداعظم نے قیام پاکستان کے بعد اردو کو سرکاری زبان قرار دیا تھا لیکن افسوس کی بات ہے کہ ستر سال ہو چکے ہم ابھی تک اس زبان کو استعمال کر رہے ہیں جو اردو کے خاتمے کے لیے استعمال کی جارہی تھی ۔ اگر ہم بحیثیت قوم زندہ رہناچاہتے ہیں تو ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم اپنی زبان کی حفاظت کریں اردو کو نکھار اور وقار دیناہماری ذمہ داری ہے اور جو قوم اپنی زبان سے غافل ہو جاتی ہے وہ صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹادی جاتی ہے جو لوگ ہماری اردوزبان کے خاتمے کے درپئے ہیں ان کے لیے ایک پیغام ہے کہ

اردو کو دفنانے والے سوچ لیں
ارتھیاں ان کی یہاں تیار ہیں۔

وطن کی سالگرہ پر ایک نظم

"خواب سے تعبیر تک"... فرخندہ شمیم

مجھے ہے یاد، غنچے نے کسی مالی سے پوچھا تھا
کہ بابا، اس قدر ہو کیوں گرفتہ آج کے دن بھی
چراغاں ہر طرف، رنگیں نظارے اور اک پرچم
تمہیں تو ناز ہونا چاہیے اس امر پر بابا
کہ تم نے خاک_زیر پا اٹھا کر
اسے ہاتھوں سے اپنے ہر گھڑی ایسے نہایا ہے
کہ جیسے ماں کوئی بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھتی ہے
اسے اجلا بناتی ہے
پھر اس کی آنکھ میں ردبلا کا جل لگاتی ہے
سنو بابا، پرانے ایک پودے نے
کبھی مجھ کو بتایا تھا
چمن کی ابتداء میں ان دنوں تھوڑے ہی پودے تھے
جہاں تتلی کے کچے پر کی ءلمحے ٹھہرتے تھے
رہائش مان کر جس کو
پرندے رت جگے آباد کرتے تھے
مگر بابا، شجر نے بعد کا قصہ
مجھے جونہی سنایا تھا
لگا جی بھر رلایا تھا
چمن پہ اک بڑی افتاد ایسی آن اتری تھی
ثمودی آندھیاں جس کے مقابل ہیچ لگتی تھیں
پرندے اڑ گئے تھے، پتہ پتہ بے سروساماں بھٹکتا تھَا
کسی پودے کا مشرق پر، کہیں اشجار کا مغرب پہ دعویٰ تھا

شمالاً اور جنوباً، فرقہ واروں نے الگ اینٹوں سے
اپنے مسلکی ڈھابے بنائے تھے
علاقے دیکھ کر آیا تھا من میں
بہاریں قوم ہوتی ہیں
علاقائی نہیں ہوتیں
مگر پودوں کو جانے کس نے گمراہ
کر دیا تھا
سنو بابا، میں اک چھوٹی، بہت
چھوٹی کلی ہوں
میں اکثر دیکھتی ہوں
نمو والی، ملاءیم بے پناہ مٹی
فقط پیروں میں لگتی ہے
کہ اس کے بیچ اب پرداخت کا موسم نہیں کھلتا
کوئی موسم نہیں ملتا
مگر بابا، ذرا سی دیر کو ٹھہرو تو بولوں
میرے اندر دمکتا اک تیقن ہر گھڑی مجھ کو بتاتا ہے
کہ میری سرزمیں ولیوں کا مسکن ہے
کہ میرے دیس کا والی نبی ہے
یہی اعجاز ہے جو دل میں جا کے پھول بنتا
مری ارض وطن کے سوہنے باسی
ہنر سے لیس ہیں محنت کے عادی
کمال ذات سے معجز کریں گے
دیے کی روشنی سورج کریں گے



پاکستان آزاد قوم، ملک اور قومی زبان

سید ظہیر گیلانی (اسلام آباد)

قوم صرف ایک جغرافیائی اکائی ہی نہیں ہوتی بلکہ انسانوں کی ایک ایسی برادری ہوتی ہے جن کی اقدار، رہن سہن، مذہب اور زبان بڑی حد تک مشترکہ یا ملتی جلتی ہوں۔ اسی بنیاد پر قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ جس دن محمد بن قاسم نے ہندوستان کی دھرتی پر قدم رکھا تھا اور یہاں کا پہلا باشندہ مسلمان ہوا تھا، پاکستان کی بنیاد اسی دن رکھ دی گئی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان کے پہلے یوم آزادی پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"انڈیا کے مسلمانوں نے دنیا کو بتادیا ہے کہ وہ ایک متحدہ قوم ہیں اور ان کا مطالبہ بالکل جائز ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے"

انسانوں کی برادری جو مشترکہ روایات، تہذیب، ثقافت، مذہب، زبان وغیرہ کی یک جہتی کی بنیاد پر خود کو ایک قوم اور آزاد ملک قرار دیتی ہے، یہ بڑی برادری خود بھی چھوٹی چھوٹی برادریوں پر مشتمل ہوتی ہے جن کی ثقافت، رہن سہن، زبان وغیرہ میں تھوڑا تھوڑا فرق ہوتا ہے۔ اس فرق کو زندہ رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا قوم کی ذمہ داری اور قوم کے ہر فرد کا فرض ہے۔ یہی فرق قوم کو قوس و قزح کے رنگ، بہار کے پھولوں کی رنگینی، خوشبو اور خوشی فراہم کرتا ہے۔ سب چھوٹی بڑی برادریاں آپس میں پیار، محبت، اور اخلاق سے پیش آتے ہیں۔ ایک دوسرے کی خوشی، غمی میں اخلاص سے شریک ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے تہواروں، میلوں ٹھیلوں، ثقافتی تقریبات میں جوش و خروش سے شرکت کرتے ہیں۔ یہی یک جہتی قومیتوں کو ایک قوم بناتی ہے، قوم ملک بناتی ہے۔ ملکی باشندے ملک و قوم کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں اور ملک کی ترقی کے لیے محنت سے کام کرتے ہیں تو قوموں کی برادری میں قوم ایک باعزت مقام حاصل کرلیتی ہے۔

پاکستانی قوم اپنی تمام تر رنگینیوں، رعنائیوں اور توانائیوں کے اشتراک کے ساتھ ایک متحد اور زندہ قوم ہے۔ اس میں سندھی، بلوچی، پشتون، پنجابی، کشمیری، گلگتی، بلتی، چترالی سب قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق ہم آہنگی اور یک جہتی سے رہ رہے ہیں۔



پاکستانیوں کی بہت بڑی اکثریت کا مذہب ایک ہے۔ اقدار، رویات اور تہوار ایک جیسے ہیں۔ کچھ مذہبی اقلیتیں بھی موجود ہیں مگر یہ اقلیتیں بہت محب وطن پاکستانی ہیں اور اس چیز پر فخر بھی کرتی ہیں۔ ہم سب بھی ان کی حب الوطنی کو سراہتے ہیں۔ اور ان کی سماجی تقریبات میں شرکت بھی کرتے ہیں۔

زبان کے بارے میں کہا جاتا ہے کی زبان تھوڑے تھوڑے فاصلے سے بدلتی رہتی ہے۔ کچھ الفاظ بدل جاتے ہیں یا کم از کم لہجے تو ضرور بدل جاتے ہیں۔ پاکستان میں کم از کم 70 زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی عام پاکستانی ستر زبانیں نہیں سیکھ سکتا۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ دنیا میں بہت سے ملک متنوع زبانیں رکھتے ہیں۔ تمام ملکوں نے اس مسئلے کا حل قومی زبان کی صورت نکالا ہے۔ قومی زبان کے لئیے ضروری نہیں کہ وہ اکثریت کی زبان ہو۔ بلکہ یہ ضروری ہے کہ قومی زبان سارے ملک میں سمجھی جاتی ہو۔ ہر شخص، قومیت، اور برادری اس زبان میں اپنا مافی الضمیر دوسرے پاکستانیوں تک پہنچا سکے۔ خوش قسمتی سے پاکستان میں ایک ایسی زبان ہے جو لنگوا فرانکا ہے۔ یہ زبان ملک کے طول و عرض میں سمجھی اور بولی جاسکتی ہے۔ یہ زبان

اردو ہے جو نہ کسی اکثریتی برادری کی مادری زبان ہے اور نہ ہی کسی صوبے کی زبان بلکہ پورے پاکستان کی زبان ہے۔ کوئی پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ، سندھی ہو یا بلوچی، پنجابی ہو یا پٹھان، کشمیری ہو یا چترالی سب ایک دوسرے کی زبان نہ جاننے کے باوجود قومی زبان اردو میں بات چیت کر سکتے ہیں، کاروبار کر سکتے ہیں، کھیتوں اور کارخانوں میں کام اور کلام کر سکتے ہیں۔ اسی لیئے قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے اردو کو پاکستان کی قومی زبان قرار دیا حالانکہ اردو ان کی مادری زبان نہیں تھی۔ بلکہ کالونیل ہندوستان میں پیدا ہونے، پڑھنے، وکالت کرنے اور سامراجی حکمرانوں کے ساتھ آذادی کے مذاکرات کی ضرورت کی وجہ سے انگریزی زبان اختیار کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔ ایک قابل آدمی ہونے کی حیثیت سے انہوں انگریزی پر بھی وہ عبور اور مہارت حاصل کر لی تھی جو شاید ہی کسی اور ہندوستانی نے حاصل کی ہو۔ ان کے اس اوج کمال پر تو انگریز بھی ایک دوجے کو دیدہ حیران سے دیکھتے تھے۔ وہ یہ بھی بہت اچھی طرح سمجھتے تھے کہ انگریز اپنی سامراجی حکومت کے باوجود مقامی لوگوں کو (سوائے چند راجوں، مہاراجوں، نوابوں اور امراء کے) انگریزی نہیں سکھا سکے تو پاکستان کا متوسط طبقہ اور غرباء کیسے انگریزی سیکھ پائیں گے۔ انہیں یہ بھی احساس تھا کہ آذادی کے بعد اور پاکستان بننے کے بعد چونکہ حکمران انگریز نہیں رہیں گے اس لیئے تعلیمی و سرکاری زبان کے طور پر انگریزی کی ضرورت نہیں رہے گی۔ البتہ ایک زبان کے طور پر جو چاہے سیکھے۔

پاکستان بنتے ہی، مشرق پاکستان کے کچھ سادہ لوح لوگوں اور شر پسندوں نے اکثریت کی بنیاد پر بنگالی زبان کو قومی زبان بنانے کا مطالبہ شروع کر دیا۔ قائداعظم کی فراست نے اس مطالبے کے مضمرات اور سازش کو بھانپ لیا۔ اپنی انتہائی کمزور صحت کے باوجود ایک چھکڑا قسم کے طیارے میں لمبا سفر کر کے مشرقی پاکستان پہنچے اور واشگاف الفاظ میں اعلان کر دیا کہ پاکستان کی قومی زبان صرف اور صرف اردو ہو گی۔ قائداعظم کو معلوم تھا کوئی شیطانی قوت، نوزائیدہ ملک خداداد میں انتشار پیدا کرنے اور عدم استحکام پیدا کرنے کے لیئے نوجوانوں کو بہکار ہی ہے۔ اسی لئے انہوں نے بنگالیوں کو سمجھاتے ہوئے تنبیہ کی اگر کوئی آپ کو اردو کے خلاف بھڑکاتا ہے تو سمجھ لیں کہ وہ آپ کا اور آپ کے ملک کا دوست نہیں ہے۔ زرا سوچیئے کہ بنگالی (آبادی کے لحاظ سے اکثریت کی زبان ہونے کے باوجود) صرف مشرقی پاکستان کے لوگوں کی زبان تھی۔ اگر بنگالی کو (جو ایک خوبصورت اور دلکش زبان تھی)، پورے پاکستان کی قومی زبان بنا دیا جاتا تو سندھیوں، بلوچیوں، پٹھانوں، پنجابیوں وغیرہ کا کیا ردعمل ہوتا۔ کیا یہ سب صوبے اور دیگر علاقائی زبانوں کے لوگ (جو اس وقت تک بنگالی زبان کی الف، ب سے بھی واقف نہ تھے) اسے قومی زبان کے طور پر قبول کر لیتے۔ یقیناً نہیں۔ اس صورت میں کتنا بڑا بگاڑ اور فساد جنم لیتا۔ یہی سازشیوں کی چال تھی کہ اگر مشرقی پاکستان والوں کی زبان قومی زبان بنائی جاتی تو مغربی پاکستان میں بر ار دعمل پیدا ہو جاتا، اور اگر مغربی پاکستان کی کسی زبان کو قومی زبان بنا دیا جاتا تو مشرقی پاکستان میں ردعمل ہوتا۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ جانتے تھے کہ ایک قومی زبان ہی ایک قوم کی یک جہتی کی ضامن ہوتی ہے۔ اور اگر لسانی جھگڑا شروع ہو گیا تو پاکستانی قوم اپنے پائوں پر کھڑے ہونے سے پہلے ہی لڑکھڑا جائے گی۔ اسلئے انہوں نے کسی دوسرے بڑے سیاسی رہنما کو بھیجنے کے بجائے، اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر خود سفر کر کے مشرقی پاکستان پہنچنے کا فیصلہ کیا۔ ابتدائی ہنگامے کے بعد لوگ پر سکون ہو گئے۔ مگر شر پسند ملکی مفاد کے خلاف زیر زمین رہ کر سازشیں کرنے میں مصروف رہے۔ ہر انسان کو اپنی مادری زبان پر فخر ہوتا ہے۔ بنگالیوں کو بھی اپنی زبان بہت پیاری تھی اور اس پر فخر بھی بہت تھا۔ لیکن وہ بہت محب وطن پاکستانی تھے ان کی حب الوطنی

کسی بھی قسم کے شک وشبہ سے بالاتر تھی۔ بنگالیوں نے پاکستان کی ترقی میں بھرپور شرکت کی۔ ان کے لوگ پاکستان کے وزیر بھی رہے، وزیر اعظم بھی رہے۔ البتہ بیوروکریسی میں ان کا نفوذ اور اثرورسوخ کم تھا۔ شائد وہ مغربی پاکستان کی اشرافیہ کے نسبت زیادہ اچھی انگریزی نہیں بول سکتے تھے اس لیے کچھ پیچھے رہ گئے۔ اس نام نہاد اشرافیہ اور حکمرانوں نے ایسی قبیح حرکتیں کیں جن سے مشرقی اور مغربی پاکستان میں فاصلے بڑھتے گئے جبکہ شر پسند عناصر بنگالی عوام کو بھڑکانے پر کمربستہ رہے۔ اور ایک سچ کے ساتھ دسیوں جھوٹ شامل کر کے من گھڑت زہریلی کہانیاں سناسنا کر بدزن کرنے میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔ اس سب کے باوجود بنگالیوں نے قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کی بہن، مادر ملت محترمہ فاطمہ جناحب کو پاکستان کی صدارت کے لئے منتخب کیا مگر بد قسمتی سے انہیں دھاندلی کے ذریعے ہروادیا گیا۔ جس کے بنگالیوں پر بہت برے اثرات مرتب ہوئے۔

ایوب خان صاحب کے بعد یحییٰ خان صاحب کی غیر آئینی، غیر قانونی اور انتہائی نااہل اور اقتدار کی بھوکی، لالچی حکومت نے حالات حد درجہ خراب کر دیئے۔ اس موقع پر بھی بنگالیوں کی اکثریت محب وطن ہی رہی مگر وہی شیطانی ٹولہ جو بنگالی زبان کے نام پر انتشار پیدا کرنا چاہتا تھا، لوگوں کو بھڑکانے اور لڑانے میں کامیاب ہو گیا۔ مجیب الرحمٰن صاحب، اور بھاشانی صاحب جیسے نیم محب وطن راہنماؤں کو بھارت کی مدد سے ایسا یرغمال بنایا کہ وہ اپنی لیڈری اور اقتدار کی ہوس کے زیر نگین ہو گئے۔

قصہ کوتاہ یہ کہ مشرقی پاکستان میں ہنگامے اور قتل وغارتگری لسانی مسئلہ کی وجہ سے نہیں بلکہ مشرقی ومغربی پاکستان کے راہنماؤں اور حکمرانوں کی کوتاہ بینی، نااہلی، ہوس اقتدار، غلط منصوبہ بندی، عالمی خفیہ سازشوں اور بھارت کی کھلی جارحیت کی وجہ سے ہوئی۔ یہ وضاحت اس لیے ضروری محسوس ہوئی کہ بعض ناعقبت اندیش لوگ اپنی غلط فہمی یا بد اندیشی کی بنا پر بابائے قوم حضرت قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر اپنی زبان طعن دراز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قائد اعظم خدانخواستہ لسانی مسئلہ کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ ان لوگوں کو یہ بھی خیال نہیں آتا کہ جس شخص نے تن تنہا انگریزوں اور متعصب ہندو قیادت کو اپنی فراست، معاملہ فہمی، لیاقت، ایمانداری اور محنت سے شکست دی۔ دنیا کے نقشے پر ایک نیا آزاد ملک پاکستان بنادیا، وہ بنگالی لسانی مسئلہ کی اہمیت نہ سمجھ سکا۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ لسانی مسئلہ کو پاکستانی کے لیڈروں میں کون سمجھ سکتا تھا کہ انہوں نے ہی تو اردو زبان کو تحریک آزادی کا بنیادی نکتہ بنایا۔ اور مذہب اسلام اور قومی زبان اردو پر پاکستان کی بنیاد رکھی۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی غلطیوں کو تسلیم کریں اور آئندہ ان سے بچ کر چلیں نہ کہ ہم اپنے کرتوتوں کا ذمہ دار قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ، علامہ اقبال اور دیگر مشاہیر کو ٹھہرائیں۔ قائد اعظم رح کے علاوہ دیگر بانیان پاکستان نے اردو کو قومی زبان قرار دیا، پاکستان کے متفقہ آئین نے دستور کی شک 251 کے تحت اردو کو قومی زبان بنایا اور عدالت عظمیٰ نے اپنے 8 ستمبر 2015 کے فیصلے کے ذریعے فوری نفاذ کا حکم دے رکھا ہے۔ 2015 میں برسر اقتدار پارٹی مسلم لیگ کی حکومت نے عدالت عظمیٰ کو نفاذ اردو کا یقین دلایا۔ اور اس پر کام شروع بھی کر دیا گیا۔ مگر محترم ومکرم جناب جسٹس جواد خواجہ کے ریٹائر ہونے کے بعد حکومت نے پھر وہی پرانے تاخیری حربے استعمال کرنے شروع کر دیے جو ان سے پہلے کی حکومتیں کرتی آئی تھیں۔ بعد کی حکومتوں نے بھی اس طرح لیت ولعل سے کام لیا۔ جناب عمران خان صاحب نے تو انگریزی زبان کے استعمال کو ہی غلامی قرار دے دیا، اور بار بار قومی زبان اردو کی

اہمیت پر زور دیا مگر ان کی حکومت بھی آئینی تقاضوں اور عدالت عظمیٰ کے فیصلوں پر عملدرآمد کرانے میں ناکام رہی۔

آج ملک خداداد پاکستان کی جو حالت زار ہے وہ بابائے قوم کی نافرمانی، دستور سے انحراف، اور اپنے محور سے نکل کر سامراجی محور کے چکر لگانے کی وجہ سے ہے۔ انگریز جا چکا، ملک آزاد ہو چکا مگر انگریزی کو ہم نے گلے کا طوق بنا رکھا ہے۔ آزادی کے باوجود ایک مراعات یافتہ طبقہ ابھی تک ذہنی غلامی کا شکار ہے۔ تعلیمی نظام اور معیار تباہی کا شکار ہے، تہذیب و تمدن برباد ہو رہی ہے، معیشت کو سنبھالنا مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔ نئی نسل بے راہ و بے منزل ہوتی جا رہی ہے۔ کروڑوں بچے غربت کی وجہ سے سکول نہیں جا سکتے۔ جو سکول جاتے بھی ہیں وہ انگریزی زبان نہ سیکھ پانے کی وجہ سے فیل ہو ہو کر سکول سے بھاگنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کچھ بہت ہی ذہین اور محنتی طلباء اگر میٹرک سے آگے بڑھ کر گریجویشن اور پوسٹ گریجویشن کر بھی جاتے ہیں تو مقابلے کے امتحان میں اپنی کمزور انگریزی کی وجہ سے اچھی کارکردگی دکھانے میں ناکام رہتے ہیں۔ اگر اس پل صراط سے چند انتہائی قابل اور ہونہار طلبہ گزرنے میں کامیاب ہو جائیں تو انٹرویو کی تلوار سے بچ نکلنا کسی معجزے سے کم نہیں۔ یہ لوگ اپنی محنت اور لگن کے بل پر انگریزی لکھنا تو کسی حد تک سیکھ جاتے ہیں مگر بولنا کہاں سے سیکھیں اور لہجہ کہاں سے لائیں۔ نتیجتاً افسر کے بجائے کلرک وغیرہ بننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

اب تک جتنی گفتگو ہوئی ہے اس میں مزدوروں، کسانوں اور غریبوں کے بچوں کا کوئی خاص ذکر نہیں ہوا۔ ان لوگوں پر تو تعلیم کے دروازے تقریباً بند ہیں۔ اب ایک غریب کسان، مزدور، دفتری بھلا اپنے بچوں کو انگریزی کیسے سکھائے۔ نہ وہ خود انگریزی جانتا ہے، نہ اسکے خاندان یا ارد گرد کے لوگوں میں سے کوئی انگریزی سے آشنا ہوتا ہے۔ سرکاری سکولوں کا معیار بھی تیزی سے روبہ زوال ہے، ایسے میں سکول میں بچے کو اول تو داخلہ ہی مشکل سے ملتا ہے اور اگر مل بھی جائے تو والدین اپنی خون پسینے کی کمائی خرچ کرنے کے باوجود بچے کو سکول ڈراپ آؤٹ ہونے سے نہیں بچا سکتے۔ عام طور پر والدین اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ بچے کی پڑھائی پر جمع پونجی خرچ کرنے کے بجائے بچے کو کمائی پر لگا دیا جائے یعنی مزدور ہی بنا دیا جائے۔ اس طرح غربت کا شیطانی جال قائم رہتا ہے، مزدور کا بچہ مزدور، کسان کا بچہ کسان اور کلرک بچہ کلرک ہی بن پاتا ہے۔ ان حالات میں جبکہ ہماری نوے فیصد سے زیادہ آبادی فیصلہ سازی، منصوبہ سازی اور اعلیٰ تعلیم سے دور کر دی جاتی ہو تو بھلا ترقی کہاں سے ہو گی۔ اور کوئی بھی شخص یا پارٹی اس سٹیٹس کو کو برقرار رکھتے ہوئے پاکستان کو ترقی معکوس کے گرداب سے کیسے نکال سکتی ہے۔ اگر ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا ہے تو صرف چند خاندانوں کو ہی نہیں ملک کی پچانوے فیصد افرادی قوت کو زیور تعلیم سے آراستہ کر کے، ہنر مند بنا کے ملک کی تعمیر و ترقی کے کام پر لگانا ہو گا۔ مگر انگریزی کے سرکاری زبان اور ذریعہ تعلیم کے ہوتے ہوئے ایسا سوچنا بھی محال ہے۔ اب بھی اگر ہم اپنا قبلہ درست کر لیں، قائداعظم کے فرمان اور آئین پر صدق دل سے عمل کریں تو پانسہ پلٹ بھی سکتا ہے:

لوگ کہتے ہیں بدلتا ہے زمانہ سب کو
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں۔

اردو زبان کا تحریک پاکستان میں کیا کردار تھا؟

اعجاز الامین، روزنامہ دنیا نیوز

تاریخ گواہ ہے کہ ہر عہد میں مسلمانوں نے دیگر مذاہب اور نظریے کے ماننے والوں کی نسبت تعداد میں کم ہونے کے باوجود اپنی منفرد شناخت برقرار رکھی، برصغیر میں بھی مسلمانوں کو عروج کے بعد زوال کا سامنا کرنا پڑا، یہاں پر مسلمانوں کو بیک وقت جن دو دشمن قوتوں کا سامنا تھا ان میں پہلا انگریز اور دوسرا ہندو سامراج تھا۔

1857ء کی جنگِ آزادی بظاہر مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر برطانوی راج کے خلاف لڑی تھی لیکن وقت نے آخر کار ظاہر کر دیا کہ ہندو مسلمانوں کے حمایتی نہیں بلکہ وہ فقط اپنی "اکھنڈ بھارت سوچ" کے تحت مسلمانوں کو استعمال کرتے رہے اور درحقیقت انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ آستین کے سانپ کا کردار ادا کیا۔

انگریز تو پہلے ہی مسلمانوں کی شناخت کو ختم کرنے کے درپے تھے، اس ضمن میں انہوں نے بھی کوئی حربہ نہ چھوڑا تھا، 1857ء کے بعد جب ہندوؤں کو واضح ہوا کہ وہ کبھی متحدہ ہندوستان پر اپنا راج قائم نہیں کر سکتے تو انہوں نے مکار سوچ کو بروئے کار لاتے ہوئے انگریز سرکار کی قربت حاصل کر لی اور انگریزوں کو مسلمانوں کے خلاف مزید اکسانا شروع کر دیا۔

ہندوؤں نے جلد ہی برطانوی راج کو مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہونے کے لیے آمادہ کر لیا اور ہندوؤں نے یہ جنگ ہر محاذ پر لڑی، انہوں نے اقتصادی و معاشی، تہذیبی و ثقافتی، علمی و ادبی الغرض ہر میدان میں مسلمانوں کی بالواسطہ اور بلاواسطہ شناخت کو ختم کرنے کی کمر توڑ کوششیں کی۔

اردو زبان جس کا خمیر مسلمانوں کی آمد سے برصغیر کی بولیوں اور مسلمانوں کی زبانوں عربی، تُرکی اور فارسی کے امتزاج سے تیار ہوا تھا اور مسلمانوں کے عہد حکومت میں ہی اس زبان نے پرورش پائی، اپنے ارتقائی سفر کو طے کیا اور مسلمانوں کے دورِ سلطنت میں ہی برصغیر کی مقبول ترین زبان بن کر ابھری اور مسلمانوں کی شناخت بن گئی۔

اس وجہ سے کم فہم اور تنگ نظر ہندوؤں نے اس کو مسلمانوں کی زبان کہہ کر اس کے مقابلے میں ہندی کو لا کھڑا کیا، تاریخ پاکستان کے طالب علم جانتے ہیں کہ قیام پاکستان کی بظاہر وجوہات میں اردو ہندی تنازعہ بھی ایک اہم اور بنیادی وجہ تھی۔

برصغیر میں رہنے والے مسلمانوں کی انیسویں اور بیسویں صدی میں زبان اردو ہی تھی کیونکہ برطانوی سامراج کی آمد سے فارسی زبان کا خاتمہ ہو چکا تھا، اب مسلمان اپنی آواز جس میں زبان میں بلند کر رہے تھے وہ اردو ہی تھی جو عوام اور خواص ہر دو میں مقبول تھی۔ اردو زبان کے خلاف اس محاذ آرائی کا آغاز بنارس سے ہوا پھر الہ آباد میں ایک مجلس قائم کی گئی، رفتہ رفتہ اس کیلیے کمیٹیاں،

مجلسیں اور سبھائیں مختلف ناموں سے قائم ہو گئیں، اس میدان میں بالخصوص تعلیم یافتہ ہندو طبقہ تھا۔

اس سازش کے خلاف مسلمانوں کی طرف سے جو پہلا قدم اٹھایا گیا وہ "اردو ڈیفنس ایسوسی ایشن" کا قیام تھا-اس کے علاوہ ایک اور اہم ادارہ جس نے اس بے سرو سامانی میں اردو زبان کے تحفظ کا بیڑا اٹھایا وہ "انجمن ترقی اردو" تھا جو جنوری 1902ء میں قائم ہوئی۔

تحریک علی گڑھ سے وابستہ اہل قلم نے تحفظ زبان اردو میں اہم کردار ادا کیا-اکابرینِ تحریک پاکستان نے اردو زبان کی حفاظت دو قومی نظریے کی شناخت کے طور پر کی، آہستہ آہستہ ہندوؤں کو واضح ہو گیا کہ مسلمان برصغیر کی منفرد شناخت رکھنے والی قوم ہے ان کی تہذیب کو ثقافت کو کبھی پامال نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے ساتھ اردو زبان لسانی اور قومی حوالہ سے مسلمانوں کی وہ شناخت بن چکی تھی جو قیامِ پاکستان تک دشمنوں کو چبھتی رہی، ہندو اردو کو محض اس لیے رد کرتے تھے کہ یہ مسلمانوں کی زبان تھی لہٰذا ہندوؤں نے اس کے مقابلے میں ہندی کو لا کھڑا کیا تھا حالانکہ اس سے پیشتر برصغیر کی زبان اردو یا اردو کی کوئی مورد اور مفرس قسم ہی ایک عام زبان تھی۔

وقت کے ساتھ ساتھ اُردو ہندی تنازعہ لسانی سے بڑھ کر اب سیاسی نوعیت اختیار کر چکا تھا، جہاں پر مسلمان دو قومی نظریہ کی بات کرتے تھے وہاں اُردو زبان کا تحفظ لازمی جزو بن چکا تھا۔

بالآخر برصغیر میں مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ کا قیام 1906ء میں ان ہی لوگوں کے ہاتھوں عمل میں آیا جو دفاعِ اردو زبان کے لیے 4 دہائیوں سے لڑ رہے تھے جن میں نمائندہ نام نواب وقار الملک، نواب محسن الملک، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خان وغیرہ کے ہیں۔

اُردو زبان کا تحریکِ پاکستان میں حصہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اردو زبان اور دو قومی نظریہ لازم وملزوم تھے تو غلط نہ ہو گا۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی قومی زبان کے تحفظ اور ترقی کے لیے ممکنہ وسائل کو بروئے کار لائیں اور آئینِ پاکستان کے آرٹیکل 251 پر عمل کرتے ہوئے اردو کو پاکستان میں بطور سرکاری زبان لاگو کریں۔

مخمس۔۔بقلم ہما خان

میں سوال ہوں نہ جواب ہوں
نہ میں صاحبِ کتاب ہوں
میرا یہ وجود بھی عجیب ہے
جانے کس گناہ کا حساب ہوں
میرا ابن کی بھی نہ کوئی بن سکا
کیا میں خدا کا عذاب ہوں

کیا میں ایسا خانہ خراب ہوں
تو اشرف بنا جس خاک سے
میں بھی تو وہی تراب ہوں
میں کہاں بسوں میں کہاں رکوں
میں انسان ہوں یا قطرہ آب ہوں
نہ ہوں میں کسی نصاب میں
نہ کسی کے کلام کا خطاب ہوں

مل کر بھی کسی سے نہ مل سکا
میں فلک سے گرا وہ شہاب ہوں
میرا خالق بھی تو وہ الباریُ ہے
پھر کیوں میں خلقتِ عتاب ہوں
میری تخلیق بھی اک پردہ راز
میں مر کر بھی پُر حجاب ہوں



تحریک پاکستان میں قومی زبان کا کردار

روبینہ یاسمین (ملتان)

مسلمانوں نے اپنی تاریخ کے تاریک ترین دور میں سر سید احمد خان جیسے عظیم المرتبت قومی راہنما کو پیدا کیا جنھوں نے خداداد بصیرت سے یہ بھانپ لیا کہ مسلمان کس قدر پستی میں گر چکے ہیں اور انہیں اپنی سابقہ حیثیت کو بحال کرنے کیلیئے کتنے کٹھن سفر کی ضرورت ہے۔ سر سید احمد خان وہ پہلے راہنما تھے جنھوں نے مسلمانوں کی بحالی اور بقا کیلیئے ان کے لیے لفظ "قوم" استعمال کیا اور ہندوستان نے سر سید کے دیئے ہوئے دو قومی نظریے کی حمایت کی۔ قائداعظم نے اسی نظریے کو آگے بڑھایا اور اسی نظریے کی بنیاد پر پاکستان حاصل کیا۔ چند اہم نکات جو دو قومی نظریہ کے ارتقاء کا باعث بنے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں سب سے نمایاں فرق مذہبی اقدار و عقائد میں پایا جاتا ہے۔

ہندو اور مسلم تہذیب و تمدن میں بھی نمایاں فرق پایا جاتا ہے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں پر معاشی ترقی کے راستے بند ہو چکے تھے اس کے برعکس ہندو معاشی میدان میں بڑی تیزی سے ترقی کر رہے تھے کیونکہ انہیں تمام مراعات حاصل تھیں۔ انگریزوں کی سرپرستی میں ہندوؤں نے معاشی میدان میں مسلمانوں کو دبانا چاہتے اور ان کا معاشی استحصال کیا۔ مسلمانوں نے اپنی معاشی حقوق کے محفظ کیلیئے بحیثیت قوم اپنی جدوجہد کا آغاز کیا اور اپنے معاشی حقوق کا مطالبہ کیا۔

دو قومی نظریہ کے ارتقاء میں ہندوستان میں سیاسی حالات نے بہت نمایاں کردار ادا کیا ہے کانگریس کے قیام ہوتے ہی مسلمانوں کے سیاسی حقوق خطرے میں پڑ گئے۔ سر سید احمد خان نے کانگریس کے سیاسی ہتھکنڈوں کو مسلمانوں پر واضح کیا اور مسلمانوں کو کانگریس سے دور رہنے کی تلقین کی۔ سر سید احمد خان نے کانگریس کے ان مطالبات کو ہندوستان کیلیئے غیر موزوں قرار دیا۔

ہندو کسی طور بھی مسلمانوں کے مفادات کی بات سننے کیلیئے تیار نہ ہوتے تھے بلکہ ہر وقت ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے تھے کہ جن سے مسلمانوں کے تشخص اور مفادات کا خاتمہ کیا جا سکے۔

ڈاکٹر فرمان نے اپنے مضمون سر سید احمد خان مشمولہ تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند میں لکھتے ہیں۔

"سر سید نے اپنی کتاب اسباب بغاوت ہند میں جہاں بغاوت کے اسباب بیان کیے ہیں وہاں ضمناً اس حقیقت کا بھی اظہار کیا ہے کہ اس عظیم ملک میں ہندو اور مسلمان دو علیٰحدہ قومیں ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنی زندگی کے مختلف مواقع پر تحریروں اور بیانوں کے ذریعہ اس

حقیقت کو وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔"(ا)(ص:۹۱)

اردو برصغیر میں صدیوں سے چلی آ رہی تھی جب مغل حکمران انڈیا میں تھے تو اس وقت ترکی، افغانی، فارسی، عربی اور ہندی ساری زبانیں ایک دوسرے سے گھل مل گئیں جن سے اردو زبان نے جنم لیا۔ مسلمانوں نے اس زبان سے اپنے سماجی، معاشرتی اور مقامی جذبات کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ بہت سے ہندوؤں نے بھی اردو کی ترقی و ترویج کیلئے کام کیا۔ رام بابو سکینہ نے اُردو ادب کی پہلی باقاعدہ تاریخ لکھی۔ منشی پریم چند رتن ناتھ سرشار اردو کے مشہور افسانہ نگار گزرے ہیں لیکن اس کے باوجود ہندو کسی طور بھی اردو کو قبول کرنے کیلئے تیار نہ تھے۔ ۱۸۲۵ء میں اردو زبان کو برطانوی حکومت نے باقاعدہ سرکاری درجہ دے دیا۔ جس سے ہندوؤں میں غم و غصے کی ایک لہر دوڑ گئی اور انہوں نے ہندی کے نفاذ کیلئے واویلا مچانا شروع کر دیا۔ انگریز تو پہلے ہی مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کے دشمن تھے۔ انہوں نے بھی اس بات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اردو زبان کی مخالفت شروع کر دی۔

ہندی اردو تنازع کا آغاز ۱۸۶۷ء میں بنارس کے مقام پر ہوا۔ جب ہندوؤں نے اردو کو ختم کر کے ہندی زبان کو دفتری زبان کا درجہ دلوانے کیلئے احتجاج کیا۔ ہندو ہندی کے دیوناگری رسم الخط کو سرکاری یا دفتری زبان کا درجہ دلوانا چاہتے تھے۔ جبکہ مسلمانوں نے اس کی سخت مخالف تھے۔ سر سید احمد خان جو ہمیشہ ہندو مسلم اتحاد کے داعی کی حیثیت سے جانے جاتے تھے انہوں نے جب بنارس میں ہندوؤں کے متعصبانہ رویہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو وہ مایوس ہوئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ اب وہ مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کیلئے خاص اقدامات کریں گے۔ ہندوؤں نے اردو کی مخالفت میں پورے برصغیر میں مظاہرے کرنے شروع کر دیئے اپنے ایسے حالات میں سر سید اردو کے تحفظ کیلئے حکومت سے باقاعدہ مطالبہ کیا۔

سر سید احمد نے اردو کے تحفظ کیلئے آلہٰ آباد کے مقام پر سنٹرل ایسوسی ایشن کا قیام عمل میں لائے کیونکہ حکومت نے ان کے مطالبے پر کوئی سنجیدہ عمل کا اظہار نہیں کیا تھا اس لیے سر سید احمد خان نے یہ عملی قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اپنی سائینٹک سوسائٹی کے پلیٹ فارم کو بھی اردو کے تحفظ کیلئے استعمال کیا اور مختلف علوم کو اردو میں ترجمہ کر کے طالب علموں کیلئے آسانی پیدا کی گئی۔

ہندی اردو تنازع چونکہ ملک کے دوسرے حصوں میں بھی پھیل چکا تھا اور اب یہ لسانی مسئلہ کی بجائے ایک سیاسی مسئلے کی حیثیت اختیار کر چکا تھا اس لیے انتظامی امور میں بدنظمی پیدا ہونے کی وجہ سے ۱۸۷۱ء میں اردو کو نصابی کتب خارج کرنے کا حکم دیا۔ ہندوؤں کے مطالبے پر ملک کی عدالتوں، تعلیمی اداروں اور دفاتر میں ہندی کو دفتری اور سرکاری زبان کا درجہ دے دیا حالانکہ ۱۸۶۳ء میں یوپی میں شائع ہونے والے ۲۳، اخبارات میں ۴ ہندی اخبار تھے اور ۷۱، اردو کے۔

نواب محسن الملک نے علی گڑھ میں انجمن ترقی واردو کو قائم کیا اور اس کے ذریعے بہت سی اردو کی کتابیں منظر عام پر لائی گئیں۔ مولوی عبدالحق بابائے اردو نے خاص طور پر اردو کی ترقی کیلئے محسن الملک کا بے پناہ ساتھ دیا۔

تقسیم بنگال مسلمانوں کیلئے خوشی کا پیغام تھا ۱۸۵۷ء کے بعد پہلی دفعہ مسلمانوں کو سیاسی اور معاشی طور پر اپنے آپ کو مستحکم کرنے کا موقع ملا تھا مسلمان اس تقسیم پر بے حد خوش تھے کیونکہ اب وہ ہندو غلبے سے آزاد ہو کر سیاسی جدوجہد کو زیادہ منظم طریقے سے استوار کرسکتے تھے۔ تقسیم بنگال پر ہندوؤں نے حکومت کی زبردست مخالفت کی اور ۱۶، اکتوبر کو یوم سیاہ منایا گیا۔ مختلف ہندو لیڈروں نے اس تقسیم کو بہت زیادہ سنجیدہ تصور کرتے ہوئے مختلف قسم کے خیالات کا اظہار کیا۔ ان میں ایک یہ ہے ہندو لیڈروں نے تقسیم کا گاؤ ماتا کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے مترادف قرار دیا اور اس تقسیم کو مذہبی رنگ دینے کی کوشش کی۔ ۱۹۱۱ء کو دہلی دربار کے اجلاس میں بادشاہ جارج نے تقسیم بنگال کو منسوخ کرنے کا اعلان کیا جس سے مسلمانوں کے حقوق پر ایک کاری ضرب لگا دی گئی ایک بار پھر یہ واضح ہو گیا کہ ہندو ان کے مفادات کے تحفظ کیلئے کبھی مسلمانوں کے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اس کے لیے مسلمانوں نے علیٰحدہ مملکت کے حصول کیلئے اپنے آپ کو از سر نو منظم کرنے کا فیصلہ کیا۔

مسلم لیگ کے قیام کا مقصد کچھ اس طرح کہا جاسکتا ہے مسلمانان ہند کے مابین برطانوی حکومت کیلئے وفاداری اور دوستی کے جذبات پیدا کرنا اور حکومتی کاروائیوں سے پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو دور کرنا۔ مسلمانانِ ہند کی خواہشات اور مطالبات کو حکومت برطانیہ کے سامنے باعزت اور باوقار انداز میں پیش کرنا اور مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور مفادات کی ترجمانی کرنا۔ انڈیا کی دوسری قوموں سے اس طرح سے دوستانہ تعلقات استوار کرنا۔

گیان چند جین کی کتاب "ایک بھاشا: دو لکھاوٹ دو ادب" میں لکھتے ہیں۔

مولوی عبد الحق نے اسی پر اکتفا نہیں کی انہوں نے پاکستان کے قیام کا سہرا بھی اردو کے سر باندھ دیا۔ ہندی کے کسی ادیب نے ایسا نہیں کیا مولوی صاحب نے ۱۵ فروری ۱۹۶۱ء کو غالب کی برسی کے موقع پر کراچی میں کہا:

> "پاکستان کو نہ جناح نے بنایا نہ اقبال نے بلکہ اردو نے پاکستان کو بنایا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلاف کی اصلی وجہ اردو زبان تھی۔ سارا دو قومی نظریہ اور سارے ایسے اختلاف صرف اردو کی وجہ سے تھے۔ اس لیے پاکستان پر اردو کا بڑا احسان ہے۔"[1]

قائد اعظم کے چودہ نکات نے مسلمانان ہند کی سیاسی جدوجہد کو بے حد منظم کر دیا تھا۔ قائد اعظم کے چودہ نکات نے مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد کو ایک نئی زندگی دی تھی مسلمان اب اپنے آپ کو ایک علیٰحدہ قوم سمجھتے تھے اور یہ علیٰحدہ قوم کا تصور اب دن بدن ان کے ذہنوں میں پختہ ہوتا جا رہا تھا۔ سیاسی شعور کی آگہی سے مسلمانوں میں اعتماد واضح نظر آنے لگا تھا۔

تجاویز دہلی، سائمن کمیشن، نہرو رپورٹ، چودہ نکات، خطبہ آلہ آباد، پہلی گول میز کانفرنس، دوسری گول میز کانفرنس، گورنمنٹ آف انڈیا ۱۹۳۵ء

[1] گیان چند جین "ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب" پبلشرز فکشن ہاؤس لاہور، ۲۰۱۷ء ص: ۲۶۵

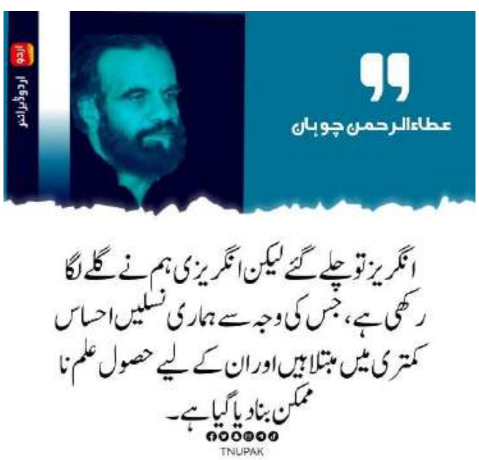
انتخابات ۱۹۳۷ء اور کانگریس حکومتوں کا رویہ قرار داد پاکستان، کرپس مشن، "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک شملہ کانفرنس۔ ۱۹۴۵ء کے انتخابات کابینہ مشن عبوری حکومت کا قیام ۳جون ۱۹۴۷ء منصوبہ تقسیم آزادی ہند پھر قیام پاکستان اہمیت کے حامل ہیں۔

آج جو صورت حال اردو کے ساتھ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ۷۵ ممالک سے زیادہ یونیورسٹیوں میں اردو کے شعبہ قائم ہو چکے ہیں۔ دنیا کی تیسری بڑی زبان مانا گیا ہے۔ پاکستان میں ذریعہ تعلیم کی زبان صرف اردو ہونی چاہیے جو لوگ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں انگریزی تعلیم صرف انہیں حاصل کرنی چاہیے ایسے افراد ملک کی معیشت کے اعتبار سے اعلیٰ طبقوں میں شمار کیے جاتے ہیں یقینا انگریزی کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے اور ساری دنیا میں اس زبان کو بولا اور سمجھا جاتا ہے یہ تاثر غلط ہے کہ انگریزی کے علاوہ کسی اور زبان کو ذریعہ تعلیم نہیں بتایا جا سکتا اور کسی اور زبان سے تعلیم کا معیار بلند نہیں کیا جا سکتا یہ صرف اور صرف غلامانہ سوچ، اردو کو ذریعہ تعلیم اس وقت تک نہیں بنایا جا سکتا جب تک ہم اردو کو عام سرکاری اور نجی دفاتر اداروں، تعلیمی اداروں کام ذریعہ نہ بنالیں۔ اس اہمیت کی بنا پر لازم ہے کہ اردو بحیثیت مضمون تدریس پاکستان بچوں پر لازم ہے انہیں اس زبان پر صحیح طور پر عبور حاصل کرنے کا اہل بنایا جائے۔

تحریر و تقریر میں صحت زبان پر زور ہو اردو ادب میں دلچسپی پیدا کی جائے۔ اس زبان کی تعلیم میں طلبہ مسرت و فخر محسوس کریں۔ نظام تعلیم و تدریس میں اسے اہم موقف دیا جائے۔ اس کی تعلیم باوقار ہو دوسرے مضامین کے مقابلے میں اس کو خفت نہ ہو اامتحانی لحاظ سے بہت اہم ہو۔ اس کا نصاب دلچسپ جاذب توجہ اور بارعب ہو درسی کتابیں پر لطف اور شاندار ہوں اور طریق تدریس ہر لحاظ سے اچھا ہو ورنہ اس کی برائے نام تدریس اہمیت بے کار ہو گی اس طرح اس زبان سے متعلقہ مقاصد پورے نہیں ہوں گے۔

پاکستانی قوم کو اپنی آزادی کے حصول کے بعد اپنے قومی تشخص کو قائم رکھتے ہوئے قومی زبان کے وقار کو بلند رکھنے کا سامان کرنا ہے۔ اس ضمن میں عطش دورانی زبان سماج اور معاشرے کی ترقی میں ان کا آپسی میل جول اور ربط کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"زبان انسانی سماجی یا معاشرے میں وجود میں آتی ہے یہ انسانوں کی باہمی لین دین رابطے اور تعافل کی ضرورت کے حوالے سے وجود میں آتی ہیں۔ جب ریاست کے معاملات استوار ہوتے ہیں اور باہمی تعلقات کے علاوہ انتظامی اور سیاسی امور انجام دینے کیلئے بھی زبان کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"[2]



[2] عطش درانی "اردو اور لسانی پالیسی"، اسلام آباد شاخ زریں، ۲۰۱۱

تحریک آزادی میں اُردو کا کردار

ڈاکٹر حیدر علی

تحریک آزادی میں انقلاب زندہ باد نعرہ نے انتہائی اہم کردار نبھایا تھا

کچھ سال قبل 26 جنوری کے موقع پر میں نے ایک اسکول کی تقریب میں بطور مہمان شرکت کی تھی۔ وہ ایک پرائیویٹ اسکول تھا جس میں ہائی اسکول تک کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس طرح کی تقریب دراصل موقع ہوتا ہے ان عظیم ہستیوں کو سلام کرنے کا جنھوں نے اپنی زندگی کی قربانی دے کر آزاد ہندوستان کا خواب شرمندۂ تعبیر کیا۔ ہندوستان کے ایسے سپوتوں کو یاد کیا جاتا ہے جنھوں نے اپنے ملک کے لیے ہنستے ہنستے پھانسی کا پھندا اپنے گلے میں ڈال لیا تھا اور آخری سانس تک 'انقلاب زندہ باد... انقلاب زندہ باد' کا نعرہ بلند کرتے رہے تھے۔ میں جس اسکول کی تقریب میں شامل ہوا وہ ہندی میڈیم اسکول تھا اس لیے نظامت کرنے والا شخص ہندی میں ہی اپنی بات کہہ رہا تھا لیکن جب بھی بات تحریک آزادی اور جوش جگانے کی آتی تھی تو یہی 'انقلاب زندہ باد' والا اُردو لفظ اچانک ہی اس کے منھ سے نکل پڑتے تھے۔ نہ صرف یہ لفظ بلکہ اور بھی بہت سارے الفاظ جیسے 'سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا' اور 'سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے' والا مشہور شعر بار بار ماحول کو قومی جذبات سے شرابور کر رہا تھا۔ میں بچوں اور موجود لوگوں کے چہروں کو بغور دیکھ رہا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کے اندر کا لہو گرم ہو کر چہروں سے جھانک رہا ہے۔ اُس وقت میں تحریک آزادی میں اردو کے کرشمائی کردار کو یاد کرنے لگا۔ اس بات میں کوئی دو رائے نہیں کہ اردو شاعروں اور مصنّفین نے اس تحریک کو تیز کرنے میں اپنا بھرپور تعاون دیا ہے۔ 'انقلاب زندہ باد' کا نعرہ آپ زور سے لگا کر دیکھیے، آج بھی ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہوتا ہے۔ ہمارا خون جوش مارنے لگتا ہے اور اسے بھیڑ میں بولا جائے تو اس کا اثر مزید بڑھ جاتا ہے۔ اگر کسی بات کو زور دے کر منوانا ہوتا ہے تو خود بہ خود زبان سے یہ نعرہ نکلنے لگتا ہے۔ یہ صرف ایک نعرہ نہیں ہے بلکہ ایک جذبہ بھی ہے جو ہمیں ماضی کی حقیقتوں سے بھی روشناس کراتا ہے۔ اُردو زبان کی اس اہمیت کو بھی منظر عام پر لاتا ہے جس نے ہندوستان کی آزادی میں انتہائی اہم کردار ادا کیا ہے۔ دو لفظوں کا یہ نعرہ جس کو اردو نے جنم دیا، نہ جانے کتنے دلوں میں نیا جوش بھرنے کا ذریعہ بن گیا ہے۔ اسی ایک نعرے کی پکار پر آزادی کے بے شمار متوالوں نے اپنے سروں کو قربان کر دیا اور اگر یہ کہا جائے کہ آزادی اس نعرے کی احسان مند ہے، تو کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ یہ نعرہ آزادی کا بگل اور منتر ثابت ہوا۔ اسی طرح بسمل عظیم آبادی کے شعر

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے

دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

کو لے لیجیے۔ حالانکہ یہ شعر رام پرساد بسمل کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ شعر کس نے لکھا، ہے تو اُردو ہی زبان۔ آپ اس منظر کا تصور کیجیے جب پھانسی کا پھندا گلے میں، سولی پر جھولنے کی تیاری اور بھگت سنگھ کی زبان پر یہ شعر تیر رہا تھا جس نے انگریزوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ آزادی کے ان

سرپھروں کے روم روم میں آزاد ہندوستان کا جو خواب بس گیا ہے اس کو بندوق کی گولیوں اور پھانسی کے پھندوں سے روکا نہیں جاسکتا۔

اگر ہم غور کریں تو پائیں گے کہ تحریک آزادی کے وقت ہندوستانیوں کو ایک دھاگے میں باندھنے کا کارنامہ جن زبانوں نے کیا ان میں اُردو سرفہرست ہے۔ یہ وہی میٹھی اور دلکش زبان تھی جس کی تحریروں، تقریروں اور شاعری نے ہندوستانیوں کے دلوں کو چھونے، آزادی کے حقیقی معنی سمجھانے اور انگریزوں کے مظالم سے مطلع کرانے کے ساتھ ان کی نئی نئی سازشوں کا پردہ فاش کرنے کا کام کیا اور آزادی کی راہیں ہموار کی۔

وطن کی فکر کر ناداں، قیامت آنے والی ہے

تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو

تمھاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

تحریک آزادی کے وقت مذہبی اتحاد، بھائی چارہ، آزادی اور وطن پرستی کی ایسی جھنکار اردو شاعری میں سنائی پڑتی ہے جس نے انقلاب کی شمع ہندوستانیوں کے دلوں میں جلا دی۔ اردو ادب نے لوگوں کو وہ سلیقہ دیا جس سے سوئے ہوئے اور مایوس لوگوں میں امید کی شمع روشن ہو گئی۔ اقبال کے ذریعہ حب الوطنی سے لبریز اور انگریز مخالف جذبات سے پُر شاعری پڑھ کر بھی لوگوں میں ایک جنون پیدا ہوا۔ انھوں نے غلامی پر جھنجھوڑ دینے والی اور خون کے آنسو رلانے والی نظمیں لکھیں۔ جب گاندھی جی نے تحریک عدم تعاون چلایا تو حسرت موہانی اور مجاز لکھنوی جیسے وطن پرستوں کی شاعری نے بھی لوگوں کو بیدار کرنے کا کام کیا۔ یہ وہ دور تھا جب اُردو شاعری میں انقلاب کی آگ نظر آرہی تھی۔ مجاز لکھنو کے ان اشعار کو ہی دیکھ لیجیے

جلال آتش برق شہاب پیدا کر

ازل بھی کانپ اٹھے وہ شباب پیدا کر

تو انقلاب کی آمد کا انتظار نہ کر

جو ہو سکے تو خود انقلاب پیدا کر

ایسے وقت میں اشفاق اللہ خان کی شاعری نے بھی ہندوستانی عوام کے دلوں میں اپنی جگہ بنائی اور ان میں نیا جوش پیدا کیا۔ 1857 کے انقلاب نے انگریزوں کے خلاف جس حیرت انگیز ماحول کو پیدا کیا تھا اسے اردو شاعری نے انگریز دشمنی میں بدل دیا۔ غالب اور میر نے بھی غلام ہندوستان کا نقشہ اپنی اُردو شاعری میں پیش کیا اور کچھ ایسے اشعار کہے جس نے لوگوں پر گہرا اثر ڈالا۔ دلّی کی بدحالی اور پریشانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے میر تقی میر نے لکھا

دلّی میں آج بھیک بھی نہیں ملتی انھیں

تھا کل تک دماغ جنھیں تخت و تاج کا

دلّی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب

رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے

جس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا

ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

میر کا درد کچھ اس طرح کا ہے جس میں ماضی کی سنہری یادوں کے ساتھ غلام ہندوستان کا رنج بھی ظاہر ہوا ہے۔

پریم چند، سعادت حسن منٹو، علی عباس حسینی، کرشن چندر، عصمت چغتائی اور راجندر سنگھ بیدی وغیرہ ایسے نام ہیں جنھوں نے اُردو میں اپنی لازوال تحریروں سے ملک کی آزادی کا پرچم بلند کیا۔ انھوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ انگریزوں کی سازشوں کو بے نقاب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ پریم چند کے پہلے افسانوی مجموعہ 'سوزِ وطن' (1905) کو انگریزوں نے ضبط کر کے اس پر پابندی لگا دی تھی۔ کئی دوسرے مصنّفین اور صحافیوں کے ساتھ بھی یہی رویہ اختیار کیا گیا تھا۔ منٹو کی کہانیوں 'تماشہ'، 'نیا قانون' وغیرہ میں بھی انگریزوں کے تشدد اور عام آدمی کی تکلیف کو دکھایا گیا جس نے لوگوں میں بیداری پیدا کی۔ اُردو زبان میں ہونے والے اس طرح کے کام سے انگریزوں کی پریشانیاں بڑھ رہی تھیں تو دوسری طرف آزادی کے متوالوں میں جوش بھر رہا تھا۔ تحریک آزادی زور پکڑ رہی تھی۔ بڑی تعداد میں لیڈروں صحافیوں، مصنّفین اور لیڈروں کو گرفتار بھی کیا جا رہا تھا۔ لیکن چاروں طرف سے 'انقلاب زندہ باد' کے نعرے گونجنے لگے اور 'سرفروشی کی تمنا' کی آواز ہر دل سے نکلنے لگی تھی۔ اس وقت اخبار و رسائل نے بھی اپنی ذمہ داری نبھائی اور لوگوں میں آزادی کا جذبہ پیدا کیا۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا آزاد اور مولانا حسرت موہانی کی تقریروں نے تحریک آزادی میں جو کردار ادا کیا اسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ گاندھی جی نے بھی تحریک آزادی کے وقت جس 'ہندوستانی' زبان کی وکالت کی وہ اُردو کے ہی زیادہ نزدیک دکھائی پڑتی ہے۔

جہاں تک اُردو اور ہندی زبان کی بات ہے تو میں اس تنازعہ میں نہیں پڑنا چاہتا کہ 'ہندوستانی' ہندی کے نزدیک ہے یا اردو کے، لیکن یہ قابل غور امر ہے کہ برج، اودھی، بھوجپوری وغیرہ کے مقابلے میں اُردو اس کھڑی بولی ہندی کے زیادہ نزدیک ہے جس نے آزادی کی تحریک میں اہم کردار نبھایا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بول چال کی شکل میں ہندی اور اردو الگ نہیں لگتے۔ اس بول چال کی زبان کو فارسی اسکرپٹ میں لکھا گیا تو اُردو کہلائی اور جب دیوناگری اسکرپٹ میں لکھا گیا تو ہندی کہا گیا۔ یہاں افسوسناک امر تو یہ ہے کہ اُردو اور ہندی کی اس لڑائی میں اس زبان کو فراموش کیا جا رہا ہے جس نے آزادی کی لڑائی میں ہمہ وقت ہمارا ساتھ دیا۔

https://www.qaumiawaz.com/social/dr-haider-ali-article-on-role-of-urdu-in-independence

تحریک پاکستان، مسلم لیگ اور اردو

مراد علی شاہد دوحہ، قطر

زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم۔۔چہ خوش بودے گر بودے زبانش در دہانِ من

زبان کی اہمیت وافادیت کا اندازہ درج بالا شعر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر آپ اپنے محبوب کے سامنے اپنامافی الضمیر یا اظہار محبت کرنا چاہتے ہیں تو بھی آپ زبان کے ہی محتاج ہیں، جذبات اگرچہ اظہار کا آئینہ دار ہوتے ہیں مگر مکمل ترجمانی سے وہ بھی قاصر رہتے ہیں۔ ایسے ہی سماج کی ترقی وتہذیب وتمدن کی نمو بھی دراصل زبان کی ہی مرہون منت ہوتی ہے۔ مثلاً ہیر وارث شاہ کے بیان کا جو سرور پنجابی زبان میں ہے کسی اور زبان میں ممکن ہی نہیں۔ ایسے ہی رومیو جولیٹ کا جس زبان میں بھی ترجمہ کر لیا جائے جو انگریزی میں شکسپئر نے بیان کر دیا ہے اس کی ترجمانی کبھی بھی ترجمہ نہیں کر سکتا۔ گویا زبان جذبات کی عکاس، محبت کا اظہار، تمدن کی ترجمان، ثقافت کی آئینہ دار اور تاریخ کی پہچان خیال کی جاسکتی ہے۔ دشمن سماج کو زیر کرنے کا سب سے بڑا ہتھیار بھی زبان ہوسکتی ہے اگر اس کا استعمال بہتر طور پہ کرنا آجائے تو، کہا جاتا ہے کہ اگر کسی قوم کے شر سے بچنا ہو تو ان کی زبان سیکھ لی جائے، زبان ازخود تہذیب سکھادے گی۔ کسے تہذیب کہتے ہیں وہ خود ہی جان جائیں گے۔ تم اپنے اپنے بچوں کو فقط اردو سکھا دینا۔

برصغیر پاک وہند میں جب اٹھارویں صدی میں سنسکرت، ہندوی اور فارسی اپنے نقطہ عروج پر تھی تو ایسے میں ایک نئی زبان (اردو) جنم پذیر ہوئی جسے دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کی زبان سمجھ لیا گیا، حالانکہ اس سے قبل مسلمانوں کی سرکاری ودرباری زبان فارسی تھی۔ اردو زبان کی اشاعت وترویج میں جب روز افزوں اضافہ ہونے لگا تو ہندو خائف ہونے لگے جس کی ایک مثال 1867 میں مدراس میں اردو ہندو تنازعہ ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہندو اس نوزائیدہ زبان سے اتنے خوف زدہ کیوں دکھائی دینے لگے، اس کی ایک وجہ صوفیا کرام کی تعلیم اور علما کرام کا اس زبان میں اسلامی لٹریچر کی تصنیف وتالیف اور ترسیل تھا کہ انیسویں صدی کی پہلی چار دہائیوں میں شاہ عبدالقادر دہلوی کے اردو زبان میں قرآن کا سادہ ترجمہ، مولوی کرامت کے تبلیغی وتلقینی رسالے جب عوام الناس تک پہنچے تو ہندو بنئیے اس عمل سے گویا جل بھن گئے۔ اس سے قبل شاہ ولی اللہ بھی فارسی زبان میں قرآن کا ترجمہ کر چکے تھے، اور بہت سے مسلمان اس بات سے بھی خوش نہیں تھے کہ نئی زبانوں میں تراجم مسلمانوں کو ان کی اصلی زبان عربی سے بے نیاز کر دیں گے۔ یہ تو مسلمانوں کے اندرونی اختلافات تھے، مگر ہندو بنیا یہ دیکھ رہا تھا کہ اردو زبان کے ذریعے مسلمان اپنے دین اور روایات کے تحفظ کا اہتمام کر رہے ہیں لہذا ہندوؤں نے اردو زبان کے ساتھ بھی وہی نارواسلوک کرنا شروع کر دیا جو وہ مسلمانوں کے ساتھ کرتے تھے۔ یعنی مسلمان ان کی نظر میں اگر ملیچھ ہیں تو اردو زبان اچھوت۔ ایسے حالات میں سرسید احمد خان بلاشبہ وہ مرد قلندر تھے جنہوں نے اپنے عزم صمیم سے اردو کی آبیاری فرمائی۔ اور 1867 میں پیش آنے والے اردو ہندی تنازعہ کے بعد ہی انہوں نے

یہ پیش گوئی فرمادی تھی کہ جو لوگ زبان برداشت نہیں کرتے وہ مسلمانوں کے وجود کو کیسے تسلیم کریں گے۔ لہذا انہوں نے واضح طور پر اس بات کا اظہار فرمادیا کہ آگے چل کر ہندو اور مسلمان جدا جدا راہیں اپنالیں گے، اور تاریخ نے دیکھا کہ ایسا ہی ہوا۔ اس پیش گوئی کا عملی اطلاق 1905 میں شملہ وفد کی وائسرائے سے ملاقات کے بعد نواب محسن الملک کا یہ بیان کافی ہے کہ " مسلمانوں کے تمدن کی حفاظت کا جذبہ تقاضا کرتا ہے کہ ان کی اپنی کوئی سیاسی تنظیم ہو"۔ 1906 میں آل انڈیا مسلم لیگ کی تشکیل پانی اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اب مسلمان اور ہندو برصغیر میں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ مسلم لیگ کا پہلا سالانہ اجلاس 1907 میں کراچی میں منعقد ہوا جبکہ دوسرا سالانہ اجلاس 1908 میں لاہور میں انعقاد پذیر ہوا جس میں سر علی امام نے ہندوؤں کی متعصبانہ روش پر اظہار افسوس فرماتے ہوئے اردو کے باب میں کہا کہ "اردو ہم مسلمانوں کی زبان نہ تھی، اسے تو ہم نے ہندوستانی آبادی کے ساتھ میل جول بڑھانے کی خاطر قبول کیا، یہ زبان تو اکبر کے دور میں سر نکال کر آگے بڑھنے لگی، جبکہ ہندو اب اپنے لاڈلے اکبر کے دور کی اس نشانی کو مٹانے کے درپے ہیں۔" سر علی امام نے باصرار یہ بھی کہا کہ "اردو کو ایک مشترک زبان کی حیثیت سے باقی رکھا جائے کیونکہ یہ وہ زبان ہے جو برصغیر کے طول و عرض میں سمجھی جاتی ہے"

جس کو دیکھو تمہارا عاشق ہے تم تو اردو زبان لگتی ہو

1908 مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں ہی یہ قرارداد بھی منظور کی گئی کہ بمبئی ریذیڈنسی کے مسلمانوں کی زبان کے طور پر اردو کو خصوصی رعائت سے نوازا جائے اور اس مقصد کی خاطر بمبئی میں اردو ٹریننگ کالج قائم کیا جائے، اسی طرح 1910 کے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ دہلی میں اردو کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے اس بات کا اشارہ دیا گیا کہ آسام اور مدراس کے لوگ بھی اپنی بولیوں کے ساتھ ساتھ اردو کو بھی اپنا رہے ہیں، اس طرح اردو روز بروز وسیع تر حلقے کی مالک ہوتی جارہی ہے۔ تاہم جیسے جیسے اردو زبان کو فروغ مل رہا تھا اور اس کے بولنے اور سمجھنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا ویسے ویسے ہندوؤں کا تعصب اور اردو دشمنی بھی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ 1910 کے اجلاس کے بعد بمبئی کے ناظم تعلیمات نے مراسلہ جاری کیا کہ پبلک سکولوں میں سے اردو کو الگ کر دیا جائے اگر مسلمان اردو کی تعلیم جاری رکھنا چاہتے ہیں تو دینی تعلیم کی طرح اس کا اہتمام بھی اپنے گھروں میں ہی کریں۔ الغرض جیسے جیسے اردو زبان کو فروغ ملتا گیا ویسے ویسے ہندو دشمنی میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ مگر مسلمانوں نے بھی مسلم لیگ کے ہر اجلاس میں کسی نہ کسی طور اردو زبان کے فروغ کے چراغ کی لو کو مدھم نہ ہونے دیا۔ یہاں تک کہ 1938 کے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں واضح طور پر کہا گیا کہ "اردو کو ہندی مسلمانوں کی قومی زبان کے طور پر قبول کیا جائے" اسی سال سندھ مسلم لیگ نے اردو کو مسلمانوں کی قومی زبان کے طور پر تحفظ و ترقی کا حقدار قرار بھی دیا۔ لہذا ہمیں اس بات سے انحراف نہیں کرنا چاہئے کہ اگر تحریک پاکستان کا محرک اول اسلام تھا تو اردو زبان تحریک دوم تھی۔ اور اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ اردو کے فروغ میں مسلم لیگ کا اپنا ایک کردار رہا ہے۔

قیام پاکستان میں اردو ہندی تنازع کا کردار

اردو کے خلاف ہندی کی یہ تحریک پہلے پہل بنارس کے ہندوؤں کی طرف سے اٹھائی گئی۔

مسلمانوں نے ہندوستان میں آ کر یہاں کے باشندوں کو دو لافانی تحفوں سے نوازا۔ پہلے اسلام کا تحفہ، بعد ازاں اردو زبان کا تحفہ دیا۔

مغلیہ عہد میں اردو کو بر عظیم میں اور جنوبی ہند کی مسلم ریاستوں میں لنگوا فرانکا کی حیثیت حاصل تھی۔ مدارس میں ذریعہ تعلیم ہونے کے ساتھ ساتھ سرکاری دفتروں اور عدالتوں میں بھی مروج تھی۔ اس کی ترقی و ترویج میں ہندو مسلمانوں دونوں نے حصہ لیا تھا اور دونوں ہی کی یہ مشترکہ زبان تھی لیکن اٹھارویں صدی کے آخر میں جیسے ہی مسلمانوں کے سیاسی اقتدار پر زوال آیا اور انگریزوں کا تسلط قائم ہونے لگا، ہندوؤں میں انگریزوں کے اشارے پر اپنی قومیت اور ہندو مت کا ایک نیا احساس برتری پیدا ہوا۔ اس احساس کے باعث بجائے اس کے کہ وہ ہندو مذہب و قومیت کے برتر ہونے کے ثبوت و دلائل سامنے لاتے، انہوں نے ہر اس چیز کو جس کا تعلق مسلمانوں کی مذہبی و تہذیبی زندگی سے تھا اور جس کو اپنانے میں اس سے پہلے ہندو خود بھی ایک طرح کا فخر محسوس کرتے تھے، قابل ترک اور قابل نفرت سمجھا۔

اردو ہر چند کہ خالص دیسی زبان تھی۔ اس نے ہندو مسلم ملاپ کے نتیجے میں جنم لیا تھا اور مسلمانوں نے اپنے ساتھ لائی ہوئی زبانوں عربی، فارسی اور ترکی کو خیر باد کہہ کر ہندو مسلم خیر سگالی جذبے کے تحت اسے اپنایا تھا۔ اس کے باوجود چونکہ اس کی پیدائش و پرورش مسلمانوں کے عہد میں ہوئی تھی، اس لیے اس سے بھی نفرت و بے زاری کا اظہار کیا گیا۔ وہی اردو جسے ایک مدت سے ہندوستان کی لنگوا فرانکا کی حیثیت حاصل تھی اور جسے ہندو مسلم تہذیب کا سنگم و ستون خیال کیا جاتا تھا، سیاسی اغراض کے پیش نظر ہندوؤں کی نظر میں کھٹکنے لگی۔

1857ء کے بعد جیسے ہی ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے بجائے برطانوی استعمار کا سایہ ان کے سروں پر قائم ہوا، عدالتوں اور سرکاری دفتروں میں اردو کی جگہ ہندی کو رائج کرنے کی کوششیں شروع کر دی گئیں۔ یہ کوششیں صرف رجعت پسند یا پرانے خیال کے کٹر ہندوؤں کی طرف سے نہ تھیں، بلکہ اس کام میں وہ انگریزی تعلیم یافتہ پیش پیش تھے، جنہیں وسیع النظر اور روشن خیال سمجھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ان میں وہ لوگ بھی شریک تھے جو خود اردو کے ادیب اور مصنف تھے۔ کچھ دن پہلے تک اردو کو ہندو اور مسلمان دونوں کی مشترک زبان جانتے تھے اور اس میں قابلیت پیدا کرنے پر فخر محسوس کرتے تھے، لیکن سیاسی حالات کی تبدیلی کی بدولت ان میں ہندو مت و ہندو قومیت کا جو نیا احساس پیدا ہو چلا تھا اس نے انہیں ہندی کے نام سے ایک قومی زبان کو بھی جنم دینے کی ترغیب دلائی۔ گویا فورٹ ولیم کالج میں اردو کے خلاف ہندی کی ایجاد و ترویج کے سلسلے میں جو کام (1800ء) در پردہ شروع ہوا تھا، وہ پچاس سال کے بعد علی الاعلان ہندوؤں کی سیاسی اغراض کے حصول کا وسیلہ بن گیا۔

اردو کے خلاف ہندی کی یہ تحریک پہلے پہل بنارس کے ہندوؤں کی طرف سے اٹھائی گئی اور وہیں اس تحریک کا پہلا مرکز قائم ہوا۔ پھر اس مرکز کی شاخیں مختلف علاقوں اور صوبوں میں قائم کی گئیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں جگہ جگہ، اردو کے خلاف ہندی کے حمایتی ادارے وجود میں آ گئے۔ مولانا الطاف حسین حالی کا بیان ہے کہ ''بنارس میں بابو فتح نرائن سنگھ کے مکان پر اردو کے خلاف پہلی مجلس قائم ہوئی۔ یہیں سے چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی۔ رفتہ رفتہ اس کے لیے کمیٹیاں، مجلسیں اور سبھائیں مختلف ناموں سے قائم ہو گئیں۔ ایک صدر مجلس الٰہ آباد میں قائم کی گئی جس کے ماتحت تمام مذکورہ بالا سبھائیں قائم ہوئیں۔

ہندو قومیت کے احیاء کی وہ سبھائیں جن کے توجہ دلانے پر، ایک قومی زبان کی ضرورت محسوس کی گئی اور اردو کے بجائے ہندی کو سرکاری دفتروں میں رائج کرنے کی کوشش کی گئی، ان سبھاؤں میں قدیم ترین راجہ رام موہن رائے کی برہمو سماج تھی جو 1828ء میں قائم ہوئی تھی۔ گویا یہ کام سیاسی بنیاد پر پچھلے کئی برسوں سے کیا جا رہا تھا، لیکن بنارس کے ہندوؤں نے اجتماعی حیثیت سے قومی مسئلے کے طور پر، اردو کی مخالفت میں تقریر و تحریر کا سلسلہ شروع کیا۔

ہندوؤں کی طرف سے بحث میں حصہ لینے والے خصوصیت سے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو تھے اور ان سب نے اس کام کے لیے خود کو ایک تنظیم کی صورت میں ڈھال لیا تھا۔ مسلمانوں میں البتہ اس مسئلے کی اہمیت اور نزاکت کو محسوس کرنے والا سر سید کے سوا کوئی نہ تھا۔ سر سید ہی نے مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلے، ہندوؤں کی اس سیاسی چال کو، جو لسانی تحریک کے بھیس میں تھی، سمجھا اور اس کی بحثوں میں حصہ لیا۔

سر سید کا کردار

جس زمانے میں بنارس میں یہ تحریک اٹھی کہ اردو رسم الخط کی بجائے بھاشا زبان اور ناگری رسم الخط کو سرکاری دفاتر اور عدالتوں میں رائج کیا جائے، اس زمانے میں سر سید بنارس ہی میں تھے اور پڑھے لکھے ہندوؤں نے اردو کے خلاف جو شورش بپا کر رکھی تھی، وہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اس سے پہلے ان کا خیال تھا کہ ہندو اور مسلمانوں کے درمیان جو اختلاف پیدا ہو گئے ہیں وہ ماضی قریب کے سیاسی و اقتصادی حالات کا نتیجہ ہیں۔

جیسے ہی حالات معمول پر آئیں گے دونوں قومیں پہلے کی طرح پھر ایک ہو جائیں گی۔ لیکن جب ہندوؤں کی طرف سے ایک جانی بوجھی سیاسی چال کے تحت، اردو کو ہٹا کر ہندی کو سرکاری کرسی پر بٹھانے کی کوششیں شروع ہوئیں اور ان کوششوں نے ہر طرف سے زور پکڑا تو ہندو مسلم اتحاد کی طرف سے سر سید مایوس ہو گئے۔ ان کو یقین ہو گیا کہ وہ اب ساتھ ساتھ نہیں رہ سکتے اور ان میں یگانگت اور اشتراک عمل کی وہ صورت زیادہ عرصے تک برقرار نہیں رہ سکتی جو ایک مدت سے چلی آ رہی تھی۔

عام طور پر تاریخ کی کتابوں میں 1867ء کا سال ہندی اردو تنازع کے آغاز کا سال قرار پاتا ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ اردو کی مخالفت اور ہندی کے پرچار کا درپردہ کام اگرچہ پچاس ساٹھ سال پہلے شروع ہو گیا تھا، لیکن اجتماعی سطح پر ہندوؤں کی طرف سے اس کا اظہار اس سے پہلے نہ ہوا تھا۔ اس کا پہلا بیج بنارس کی سرزمین پر بویا گیا اور اس بیج سے اختلاف کا جو درخت نمودار ہوا، وہ سب سے پہلے 1867ء میں سر سید کی توجہ کا مرکز بنا۔ دو سال بعد اپریل 1869ء میں سر سید پونے دو برس کے لیے انگلستان چلے گئے۔ ان کے جانے سے مسلمانوں خصوصاً اردو کے حامیوں میں ایک خلا سا پیدا ہو گیا۔

البتہ اسی زمانے میں اردو زبان کے تحفظ کے لیے ایک ادارہ بنام ”سنٹرل ایسوسی ایشن“ الہ آباد میں قائم کیا گیا۔ ادھر مختلف اخبارات نے جن میں نورالابصار، بنارس گزٹ اور علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ شامل تھے، اردو زبان کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا اور ان خطرات کی نشاندہی میں مصروف ہو گئے جو ”بنارس مطالبات“ کی منظوری کی صورت میں پیش آسکتے تھے۔

7 نومبر 1871ء کو لیفٹیننٹ گورنر بنگال مسٹر کیمپبیل نے ”بھاگل پور سائنٹفک سوسائٹی“ کے اجلاس میں شرکت کی۔ اس موقع پر مولوی امداد علی نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں عربی اور فارسی کے الفاظ بکثرت استعمال کیے۔ بہاری تو پہلے ہی سے موقع کی تلاش میں تھے۔ انہوں نے گورنر سے ”غیر ملکی زبان“ کی بجائے دیسی زبان ہندی کے اجراء کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ گورنر نے نہ صرف اردو زبان کی مذمت کرتے ہوئے اسے ”غیر ملکی“ زبان قرار دیا، بلکہ وہ اردو کو نقصان پہنچانے کے اس قدر درپے ہو گیا کہ اس نے محکمہ تعلیم کو اردو کی نصابی کتب کی ممانعت کا حکم جاری کر دیا۔

1882ء میں ”ہنٹر ایجوکیشن کمیشن“ کی تشکیل کے موقع پر ہندوؤں کو دوبارہ اردو زبان کو نقصان پہنچانے کا موقع میسر آیا۔ اس مرتبہ یہ فتنہ پنجاب اور یوپی میں اٹھا، جہاں بے شمار انجمنوں اور سوسائٹیوں نے کمیشن کو اردو کے خلاف لاتعداد قراردادیں پیش کیں۔ ایک مرتبہ پھر سرسید ہی اردو کی مدافعت کے لیے آگے بڑھے اور ہنٹر کمیشن کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے کہ مسئلہ لسانی کی بجائے دراصل سیاسی نوعیت کا ہے۔

مارچ 1898ء میں یوپی کے متعصب گورنر انطونی میکڈانل کو یوپی کی عدالتوں میں ہندی زبان اور ناگری رسم الخط کے اجراء کے بارے میں ایک عرضداشت پیش کی گئی۔ یہ سرسید کے آخری ایام تھے، مگر ان کے نزدیک مسلمانانِ ہند کے لیے اردو زبان کس قدر اہمیت رکھتی تھی، اس کا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی وفات (27 مئی 1898ء) سے صرف نو دن قبل ”علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ“ میں اردو کے بارے میں ہندوؤں کی اس روش پر سخت تنقید کی۔

گورنر میکڈانل، مسلمانوں کے بارے میں سخت متشدد اور متعصب تھا اور اسے مسلمانوں سے ”غداری کی بو“ آتی تھی۔ اسی سبب اس نے گورنر جنرل کو لکھا تھا ”مسلمان سلطنت برطانیہ کے لیے خطرہ ہیں۔ سرکاری ملازمتوں میں ان کی مضبوط پوزیشن کو سیاسی طور پر جہاں تک ممکن ہو ختم کیا جائے۔ لہٰذا اس نے مسلمانوں کو زک پہنچانے کی خاطر نہ صرف یوپی کی عدالتوں اور سرکاری دفتروں میں اردو ختم کرنے کے علاوہ ناگری رسم الخط جاری کرنے سے متعلق 18 اپریل 1900ء کو ایک حکم نامہ جاری کیا جس میں یہ شق بھی شامل تھی کہ آئندہ سے دفاتر میں مختلف آسامیاں پر کرتے وقت صرف انہی لوگوں کو مقرر کیا جائے جو فارسی اور ناگری رسم الخط دونوں سے واقف ہوں۔

اس حکم کے احیا کے وقت سرسید تو موجود نہیں تھے لیکن ان کے جانشین نواب محسن الملک علی گڑھ کالج کے آنریری سیکرٹری تھے۔ سرسید کی تمام قومی ذمہ داریاں آپ پر عائد ہو گئی تھیں۔ اب وہی مسلمانوں کے رہنما تھے۔ مسلمانوں کے جذبات کا صحیح اندازہ کر کے انہوں نے 13 مئی 1900ء کو علی گڑھ کے ٹاؤن ہال میں ایک عام جلسہ کیا۔ ”اردو ڈیفنس ایسوسی ایشن“ قائم کی اور مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا کہ اپنی طرف سے قرارداد پیش کرنے کے لیے مسلمانانِ ہند کے نمائندوں کا ایک وفد گورنر سے ملاقات کرے۔ جلسے نے نواب محسن الملک کو یہ اختیار دیا کہ مسلمان نمائندوں کا جلسہ منعقد کریں۔

اردو ڈیفنس ایسوسی ایشن

نئی تنظیم "اردو ڈیفنس ایسوسی ایشن" کے صدر نواب محسن الملک تھے۔ نواب صاحب کے زیر ہدایت مختلف مقامات پر حکومت کے اس حکم کے خلاف جلسے منعقد ہونے لگے۔ نواب محسن الملک کی اس جسارت پر میکڈانل کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے صوبے کے ان امراء رؤسا کو جو علی گڑھ کالج کے معاون اور سرپرست تھے، اپنی ناراضگی سے آگاہ کیا۔ اس کے باوجود نواب محسن الملک نے 18 اگست 1900ء کو لکھنؤ میں مسلمانوں کا جلسہ منعقد کیا اور اس میں بڑی پرزور تقریر کی، جس پر گورنر مشتعل ہو کر 26 اگست 1900ء کو خود علی گڑھ آیا۔

کالج کے ٹریسٹیوں کا اجلاس طلب کیا۔ تقریر فرمائی۔ اردو ڈیفنس ایسوسی ایشن کے خلاف ناراضگی کا اظہار کیا۔ آخر میں دھمکی دی کہ اگر یہ طریقہ جاری رہا تو کالج کو حکومت سے جو امداد ملتی ہے، وہ بند کر دی جائے گی۔ صرف اتنا ہی نہیں، گورنر نے صوبے کے بعض اضلاع کا دورہ کر کے مسلمانوں کو تنبیہ کی کہ اگر انہوں نے "اردو ڈیفنس ایسوسی ایشن" کی تائید کی تو ان کے لیے اچھا نہ ہو گا۔ کالج کو حکومت کے قہر سے محفوظ رکھنے کے لیے نواب محسن الملک نے کالج کے آنریری سیکرٹری کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔

گورنر نے 19 اکتوبر 1900ء کو انہیں "محسن الملک" کا خطاب استعمال کرنے کی ممانعت کر دی۔ اس کے باوجود "اردو ڈیفنس ایسوسی ایشن" کے تحت علی گڑھ کالج میں نہ سہی، ملک کے دوسرے حصوں میں جلسے منعقد ہوتے رہے۔ اہل الرائے نے اردو کے ساتھ انگریزوں اور نیشنل کانگرس کی بے سلوکی کے خلاف آواز بلند کی۔ 1918ء میں کراچی میں اردو کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت سندھی زبان کے مشہور شاعر و ادیب شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ نے کی۔ آپ نے اپنے خطبۂ صدارت میں اردو کو مسلمانوں کے جداگانہ قومی تشخص کی علامت اور دو قومی نظریے کی بنیاد قرار دیا۔

اگرچہ نئے گورنر سر جیمز لاٹوش کی آمد پر معاملہ وقتی طور پر دب گیا۔ لیکن بیسویں صدی کا آغاز اردو پر ہندی کی بالادستی سے شروع ہوا اور سی پی، بہار اور یوپی کی عدالتوں اور سرکاری دفاتر میں ہندی کو باریابی حاصل ہو گئی۔ اب ساور کر، ہر دیال، سمپورنانند، پنڈت مدن موہن مالویہ اور ٹنڈن جیسے متعصب ہندو لیڈروں کی سرپرستی میں یہ کوشش شروع ہوئی کہ کسی صورت ہندی کو پورے ہندوستان پر تھوپ دیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے ہندی ساہتیہ سمیلن" (الہ آباد)، ہندی پرچارنی سبھا (بنارس) اور ہندو مہاسبھا جیسی تنظیمیں قائم ہوئیں۔

کانگرسی وزارتوں کا عہد

1935ء کے قانون کے تحت فروری، مارچ 1937ء میں صوبائی اسمبلیوں کے لیے انتخابات منعقد ہوئے۔ کانگرس اور مسلم لیگ دونوں نے جداگانہ انتخاب کی بنیاد پر انتخاب میں حصہ لیا۔ مسلم لیگ چونکہ پچھلے کئی برسوں سے باہمی اختلافات کا شکار تھی اور اس کے پاس نہ تو پروپیگنڈے کے لیے ذرائع تھے اور نہ مالی وسائل، اس لیے کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ البتہ کانگرس کے امیدوار کئی صوبوں میں اکثریت کے ساتھ منتخب ہو گئے اور انہوں نے کسی دوسری جماعت کے بغیر چھ صوبوں یعنی یوپی، سی پی، بہار، مدراس، اڑیسہ اور بمبئی میں اپنی وزارتیں بنا لیں۔

کانگرس کی وزارتیں قائم ہوتے ہی ہندوؤں نے یہ سمجھ لیا کہ ان کا راج آ گیا۔ یوپی، بہار اور ہندو اکثریت کے دوسرے صوبوں میں اذان پر، نماز پر، قربانی پر، محرم کے جلوس پر حملے اپنے غلبے کے مظاہرے کے لیے انہوں نے ضروری قرار دے لیے۔ پولیس نے

ان ہنگاموں میں بے نیازی اختیار کی۔ اگر وہ دباتی بھی تھی تو مسلمانوں ہی کو۔ خود کانگرسی حکومتوں نے سرکاری عمارتوں پر کانگرس کے جھنڈے لگوادیئے۔ بندے ماترم کو قومی ترانہ قرار دیا۔ سرکاری سکولوں میں گانگرس کے جھنڈے کی سلامی جاری کی۔ کانگرسی حکومتوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ مسلمانوں کو یہ محسوس کرایا کہ ان کی رائے اور مرضی کوئی چیز نہیں۔ ان کو اس ملک میں ہندوؤں کے تابع ہو کر رہنا ہو گا۔

گاندھی جی کا دوغلا کردار

مارچ 1940ء کی "قرارداد لاہور" سے لے کر 1945ء کے انتخابات تک، ہندو اور مسلمانوں کے درمیان بحث کا خاص موضوع دو قومی نظریہ رہا۔ قوم کسے کہتے ہیں؟ قومیت کیا ہے؟ اور اس کی تشکیل و تعمیر میں کون کون سے عناصر کام کرتے ہیں؟ ان سوالوں کے جوابات کی تلاش میں جگہ جگہ مناظرے اور مباحثے ہوئے اور مضامین و مقالات لکھے گئے۔ قوم اور قومیت کے الفاظ کی لسانی و اصطلاحی تشریحات کا ایسا سلسلہ چھڑ گیا کہ قیام پاکستان سے پہلے ختم نہ ہوا۔

ظاہر ہے کہ ایسے میں زبان، قومی زبان اور ہندی اردو کا مسئلہ بھی بطور خاص زیر بحث آیا۔ یوں تو اردو ہندی کا قضیہ ایک مدت سے چلا آرہا ہے، لیکن اب اس میں نئی زندگی کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ کوئی جلسہ ہو، کوئی سبھا ہو، کوئی انجمن ہو، کوئی میٹنگ ہو، اس کی پرچھائیں سے نہ بھاگ سکتی تھی۔ بحث میں الجھاؤ اور شدت دراصل اس وقت پیدا ہوئی جب ہندوؤں کے مہا گورو، مہاتما گاندھی نے حسب عادت انڈین نیشنل کانگرس کی قرارداد سے تجاوز کر کے بھارتیہ ساہتیہ پریشد ناگپور کے جلسے میں لفظ "ہندوستانی" پر ہندی کا اضافہ کیا اور ہندوستان کی مجوزہ قومی زبان کو "ہندی ہندوستانی" کا نام دیا۔ کانگرس کی قرارداد میں "ہندوستانی" کی تعریف یہ بتائی گئی تھی کہ "یہ وہ زبان ہے جو شمالی ہند میں عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی ہے اور ناگری و فارسی رسم الخط " دونوں میں لکھی جاتی ہے

گاندھی جی نے اب جو پلٹا کھایا، تو اس کی تفصیل بابائے اردو مولوی عبد الحق کی زبانی سنیے "اس ضمن میں اس واقعے کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتا ہوں، جس نے انجمن (ترقی اردو) کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ اس کی مختصر روداد یہ ہے 1935ء میں مسٹر کنہیالال منشی (جو 1951ء میں بھارت کے وزیر خوراک مامور ہوئے) مجھ سے حیدر آباد (دکن) آکر ملے اور بیان کیا کہ ہم ایک ایسی انجمن بنانا چاہتے ہیں جس میں ہر زبان کے ادیب شریک ہوں تاکہ ہمیں ایک دوسرے کے ادب کے حالات اور معلومات سے واقفیت ہو سکے۔

آپ اس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر ہو جائیں۔ چوں کہ یہ ادبی معاملہ تھا میں نے منظور کر لیا۔ 1936ء میں اس کا سالانہ اجلاس ناگپور میں گاندھی جی کی صدارت میں ہوا۔ اس انجمن کا نام "اکھل بھارتیہ ساہتیہ پرشد" تھا۔ اس میں ایک مسئلہ پیش ہوا کہ پرشد کی زبان کیا ہونی چاہیے۔ مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا "ہندوستانی" گاندھی جی نے دریافت کیا کہ میں ہندوستانی کیوں تجویز کرتا ہوں۔ میں نے کہا، اس لیے کہ کانگرس کی یہ قرارداد ہے کہ گانگرس اور ہندوستان کی زبان ہندوستانی ہو گی۔ نیز کانگرس کے آئین کی دفعہ 21 میں صاف طور پر یہ درج ہے۔

گاندھی جی نے فرمایا: "اس کا یہ مطلب نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ہر دس سال کے بعد مطلب بدلتا رہا تو کام کیسے چلے گا۔ گاندھی جی ہندی کے حق میں تھے۔ جب بحث زیادہ بڑھی تو گاندھی جی نے پینترا بدلا اور ایک نئی زبان اور نیا نام تجویز کیا، یعنی "ہندی ہندوستانی"۔ میں نے پوچھا، ہندی سے آپ کی کیا مراد ہے۔ فرمایا، وہ زبان جو کتابوں



میں ہے، بول چال میں نہیں۔ پھر میں نے پوچھا، ہندوستانی سے آپ کا مطلب کیا ہے؟ تو فرمایا، وہ زبان جو بول چال میں ہے، کتابوں میں نہیں۔ اس پر میں نے دریافت کیا، تو پھر ہندوستانی زبان کیا ہوئی۔ فرمایا وہ زبان جو آگے چل کر ہندوستانی ہو جائے گی۔

میں نے عرض کیا کہ جب ہندوستانی پہلے سے موجود ہے تو پچاس سال اور انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر انہوں نے جھنجھلا کر کہا کہ میں ہندی نہیں چھوڑ سکتا۔ میں نے عرض کیا، جب آپ ہندی نہیں چھوڑ سکتے تو ہم اردو کیوں چھوڑ دیں۔ اس پر انہوں نے ایسا غلط اور عجیب و غریب جواب دیا کہ جس کی ان سے توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ فرمایا، مسلمان چاہیں تو اردو رکھ سکتے ہیں۔ یہ ان کی مذہبی زبان ہے۔ قرآن کے حرفوں میں لکھی جاتی ہے۔ مسلمان بادشاہوں نے پھیلائی۔ اس کے بعد بحث کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی اور میں نے ''اکھل ساہتیہ پرشد'' کی کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا۔

مسلمانوں کا ردعمل

اردو زبان اور دو قومی نظریے کے بارے میں حکومت کی واضح جانبداری اور ناانصافی اور ہندو جماعتوں اور لیڈروں کی واضح جارحیت کے جواب میں مسلمان رہنماؤں نے ابتدا ہی سے دانشمندانہ، مفاہمانہ اور معتدل رویہ اختیار کرتے ہوئے اپنے ردعمل کا اظہار کیا۔ سرسید، نواب محسن الملک، انجمن ترقی اردو، انجمن حمایت اسلام اور آل انڈیا مسلم لیگ نے اردو زبان کے تحفظ و بقا کے لیے بھرپور کوششیں کیں۔

جب قومی زبان کی بحث خاص سیاسی دائروں سے نکل کر عوامی حلقوں تک پہنچ گئی اور دو قومی نظریے کے بارے میں علمائے کرام کی اختلافی بحثوں نے ہندی، اردو کے مسئلے کو پیچیدہ تر بنا دیا تو بعض مسلمانوں نے استفسار و استفتا کے لیے علمائے دین سے رجوع کرنا شروع کیا۔ چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی نے مسلمانوں کے مغالطے کو دور کرنے کے لیے اردو زبان کی حمایت میں مندرجہ ذیل فتویٰ دیا: ''خدانخواستہ اگر اردو زبان ضائع ہو گئی تو مسلمانوں کا تمام اسلامی ذخیرہ ضائع ہو جائے گا۔ چونکہ تمام دینی کتابیں جو کہ فارسی اور عربی میں تھیں، اب ان کا ترجمہ اردو میں ہو گیا ہے، لہٰذا اگر یہ زبان ضائع ہو گئی تو مسلمان بالخصوص عوام کے لیے حصول دین کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہے گا، تو کیا کوئی مسلمان اس بات کو گوارا کر سکتا ہے کہ یہ ذخیرہ ضائع ہو جائے؟ پس نتیجہ یہ نکلا کہ اس وقت اردو زبان کی حفاظت، دین کی حفاظت ہے۔ اس لیے یہ حفاظت حسب استطاعت واجب ہو گی اور باوجود قدرت کے اس میں غفلت اور سستی کرنا معصیت اور موجب مواخذہ ہو گا۔''

آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنے سال قیام 1906ء سے 1947ء تک مختلف اجلاسوں میں پے درپے اردو کی حمایت و حفاظت میں قراردادیں منظور کیں اور بالآخر اسے تحریک پاکستان کا بنیادی حصہ قرار دیتے ہوئے جدوجہد کی شناخت بنایا۔

https://www.express.pk/story/582390/



ادھوری آزادی۔۔عطاءالرحمن چوہان

پون صدی گزری گئی، قوم جشن آزادی منارہی ہے۔ اب تو جشن آزادی ڈھول باجے، بلا سلنسر موٹر بائیک اور شغل میلے تک محدود رہ گئی ہے۔ وطن کیا اور نظریہ کیا، منزل کیا اور راستہ کیا، سب کچھ او جھل سا ہو گیا ہے۔ سرکاری دفاتر، تعلیمی اداروں اور منڈیوں میں چھٹی کر کے قوم کے سیر سپاٹے کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ اخبارات میں چند مہنگے اشتہارات، سرکاری طور پر لکھوائے ہوئے دو چار فیچرز کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ مقتدر حلقے تاجروں، غیر ریاستی تنظیموں اور کچھ آلہ کاروں کے ذریعے ٹوکن سرگرمیاں کروالیتے ہیں۔

جشن، جشن کھیلتے ہوئے 1971 میں ادھا پاکستان گنوا بیٹھے تھے، اب مسئلہ کشمیر سے بھی دست کش ہو چکے ہیں۔ ایک باوردی صدر نے کشمیر کے سینے پر باڑ لگانے کی کھلی چھٹی دے کر مسئلہ جموں کشمیر سے پیچھے ہٹنے کا اشارہ دے گئے۔ باجوہ جی نے مقبوضہ کشمیر کی آئینی حیثیت کی تبدیلی میں پورا تعاون کر کے اہل کشمیر کو مسئلے کو رول بیک کرنے کا حتمی اعلان کر دیا۔ اب گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر کو صوبہ بنا کر رہی سہی کسر بھی پوری کی جارہی ہے۔ بظاہر تو سی پیک کا خواب دکھایا جارہا ہے لیکن اندرون خانہ تقسیم کشمیر کی سازش میں رنگ بھرنے کی بات ہو رہی ہے۔ کیا چین کو راہداری دینے کے لیے کشمیر کے لاکھوں شہداء کے خون کا سودا کر دیا جائے گا۔ یہ کسی پاگل کا خواب تو ہو سکتا ہے زمینی حقائق اس سے مختلف ہیں۔ جن گھرانوں نے اپنے بچوں کا گرم خون اس راہ میں دیا ہے، ان کے آخری بندے تک مسئلہ کشمیر کو رول بیک نہیں کیا جاسکتا۔

ہمارے ساتھ حادثہ یہ ہوا کہ قائداعظمؒ کی زندگی نے ساتھ نہیں دیا اور لیاقت علی خان کو راستے سے ہٹا کر نوکر شاہی نے پاکستان کو بنیادی نظریئے سے مکمل طور پر ہٹا کر غیر اعلانیہ برطانوی کالونی بنا دیا۔ نظریہ پاکستان کو دفن کر دیا گیا اور پاکستان کو تحریک پاکستان سے الگ کر کے مراعات یافتہ طبقے کی لوٹ مار کا مرکز بنا دیا گیا۔ جو نسل در نسل لوٹ رہے ہیں۔ ان میں برطانوی دور کے پالتو جاگیر دار، رسہ گیر، گدی نشین، اور گھوڑے، کتے اور بلیاں پالنے والوں کی نسلیں، سول اور ملٹری بیوروکریس ہر چند سال بعد بیں بدل کر مسند اقتدار پر قابض رہتے ہیں۔ اشرافیہ میں شامل سارے دھڑے ایک دوسرے کے خاموش معاون بن کر اپنی باری کا انتظار کرتے ہیں۔ جب قوم مارشل لاء سے تنگ ہو جاتی ہے تو جمہوری تماشا لگا کر کچھ لوگوں کو نوازا جاتا ہے۔ جب جمہوریت پر کرپشن اور ملک دشمنی کا لیبل لگ جاتا ہے تو پھر مارشل لاء اور کبھی قومی حکومت بنا کر اشرافیہ کے بقیہ طبقوں کو راضی رکھا جاتا ہے۔

قابض ٹولے نے سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ قائداعظم کے فرامین سے روح گردانی کرتے ہوئے قومی زبان اردو کو ایوان اقتدار میں داخل نہیں ہونے دیا اور آج بھی انگریزی ہم پر راج کر رہی ہے۔ بظاہر ترقی اور اعلیٰ تعلیم کے خواب دکھا کر پوری قوم کو جاہل بنا دیا گیا ہے۔ اشرافیہ کے بچے بیرون ملک سے انگریزی رٹ رٹا کر اعلیٰ ملازمتوں پر قابض کیے جاتے ہیں اور باقی پوری قوم انگریزی کے

ہاتھوں قابلیت کے قتلِ عام کا شکار رہتی ہے۔ ستر فیصد بچے میٹرک میں انگریزی کی وجہ سے تعلیم ادھوری چھوڑ کر محنت مزدوری میں لگ جاتے ہیں۔ بقیہ 29 فیصد انٹر میڈیٹ سطح پر انگریزی فیل کر کے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔ اب تک کے اعداد و شمار کے مطابق ایک لاکھ میں سے صرف 7 بچے یونیورسٹی تک پہنچ پاتے ہیں۔ ان میں سے نوے فیصد علم و ادب میں بی ایس اور ایم ایس کرتے ہیں اور صرف دس فیصد طلبہ میڈیکل اور انجنیئرنگ کے شعبوں میں جا پاتے ہیں۔

سول جج سے سپریم کورٹ تک انگریزی میں فیصلے سنائے جاتے ہیں۔ جو ننانوے فیصد عوام نہیں سمجھتے۔ حکومتی قوانین، ہدایات اور معلومات اور دستور سب کچھ بدیسی زبان میں اس لیے رکھا گیا ہے کہ پچیس کروڑ پاکستانی یہ نہ جان سکیں کہ مقتدر طبقہ اس ملک اور قوم کے ساتھ کیا کھیل، کھیل رہا ہے۔ ڈاکٹر کا نسخہ، ادویات، خوراک اور دیگر ضروریاتِ زندگی کی ہر چیز انگریزی پیکیج میں فراہم کی جاتی ہے۔ نہ مریض ڈاکٹر کا نسخہ سمجھ سکتا ہے، نہ دوائی کا طریقہ استعمال جان سکتا ہے اور نہ ادویات کے استعمال کے دوران پرہیز جیسے ہدایات سے آگاہی حاصل کر سکتا ہے۔ صحت عامہ کی ساری مہمات انگریزی میں چلائی جاتی ہیں۔

فرق صرف کالے اور گورے انگریز کا ہے۔ نہ نظام بدلا، نہ طور اطوار بدلے اور نہ عدالتیں بدل سکیں اور نہ عوام کی زندگی میں کوئی تبدیلی آئی۔ گورے انگریز کسی نہ کسی درجے میں انسان تھے، کالے تو مال بناؤ اور بیرون ملک جائیدادیں بنانے کے علاوہ کچھ نہیں کر پاتے۔ وہی نظامِ تعلیم، وہی نظامِ انصاف اور وہی طرزِ حکمرانی، وہی رائل آرمی اور وہی کلب اور ڈانس پارٹیاں۔ آج بھی دفاتر، ہسپتالوں اور بازاروں میں حاکم اور محکوم کی برطانوی تقسیم موجود ہے۔ کیفیٹریا اور واش روم تک الگ، الگ رکھے گئے۔ تعلیمی ادارے، سیر گاہیں اور قبرستان تک الگ، الگ ہیں۔ آج بھی سرکاری ملازم حاکم لکھتا ہے اور ایٹمی پاکستان کا شہر سائل کہلاتا ہے۔ ایک پولیس کانسٹیبل، پٹواری، کلرک لاٹ صاحب ہے اور پاکستان کی شہری ان کے غلام ہیں۔ گھی مکھن، انڈے سے کروڑوں نقدی تک ویسے ہی روزانہ نذرانے کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔

اشرافیہ کے ہر فرد کے اندرون و بیرون ملک کھربوں کے اثاثے ہیں اور پاکستان ڈیفالٹ ہوا جا رہا ہے۔ سول اور فوجی افسران کو درجنوں پلاٹ کوڑیوں کے مُل دیئے جاتے ہیں اور اہل پاکستان کی ستر فیصد آبادی پینے کے پانی سے محروم ہے۔ اشرافیہ کو سالانہ 220 ارب کا پٹرول اور 550 ارب کی بجلی مفت فراہم کی جاتی ہے۔ توشہ خانوں کو جس بیدردی سے لوٹا گیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ طبقہ کس قدر سفاک ہے۔ جو ملک ڈیفالٹ ہونے جا رہا ہے، اس کے خنزیر حکمران بیس فیصد پر توشہ خانہ لوٹ لے جاتے ہیں۔

غریب پاکستانی کس آزادی کا جشن منانے، جوہڑ کے پانی پینے کا، 300 روپے کلو ٹماٹر کا، 35 روپے یونٹ بجلی کا، لوڈشیڈنگ کا، بیروزگاری کا، سرکاری اہل کاروں کے ہاتھ لوٹنے کا، کھوسٹ سکولوں کا، کھنڈرات ہسپتالوں کا، ٹوٹی پھوٹی سڑکوں کا، گندگی کے جوہڑوں کا یا عالیشان محلات میں بسنے والے حاکموں کی عیاشیوں کا، ستر، ستر سال تک معمولی مقدمات بھگتنے کا۔

ظلم کی حد ہو گئی ہے۔ اب اہل پاکستان کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو پالیں گے یا اعلیٰ سرکاری ملازمین کے نخرے

برداشت کریں گے۔ وہ بچوں کی تعلیم دیں گئے کاکارپوریٹ تعلیمی نظام کربرداشت کریں گے۔ وہ بیماریوں کے ہاتھوں مرتے ماں باپ کو بچائیں گئے یاکارپوریٹ ہسپتالوں کی دیکھ بھال کریں گے۔ جس ملک کا نظام عدل129 نمبر پر اور نظام تعلیم130 نمبر پر ہو، وہاں جشن نہیں انتقام لینے کا وقت ہے۔ جہاں بدیسی زبان اور بدیسی لباس کروفر کی علامت ہو، وہاں قانون نہیں جنگ کا جشن منایا جائے گا۔

پاکستان ہمارے آباؤاجداد نے قربانیاں دے کر حاصل کیا تھا، نہ کسی فوج نے فتح کرکے دیا اور نہ کسی نے طشتری میں رکھ کر پیش کیا تھا۔ پچیس کروڑ پاکستانی اس ملک کے مالک ہیں، یہ اشرافیہ کی لوٹ مار کے لیے نہیں بلکہ عوام کی فلاح و بہبود کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ یہ اسلام کا قلعہ اور قومی زبان اردو کا مسکن بنے گا۔ اب ہمیں برطانوی استعمار کی ہر علامت اور استعارے کو مٹا کر حقیقی آزادی کی بنیاد رکھنی ہے۔

جشن آزادی ہم تب منائیں گئے جب پچیس کروڑ پاکستانی اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق اپنے ملک کی بھاگ ڈور سنبھالیں گے۔ جب یہاں کوئی حاکم اور کوئی محکوم نہیں ہو گا۔ جب یہاں کوئی وی آئی پی ہاوسنگ اور کچی آبادی کی تفریق نہیں ہو گی۔ جو سہولت غریب پاکستانی کو میسر ہو گی وہی اس ملک کے ڈپٹی کمشنر، سیکرٹری اور وزیراعظم کو حاصل ہو گی۔ یہ کٹے پال ریاست نہیں عوام سدھار ریاست بنے گئی تو پھر سرکاری خزانے سے اشتہار دے کر جشن آزادی نہیں منایا جائے گا، تب ہر پاکستانی اپنے خون جگر سے وطن عزیز کا جشن منائے گا۔ پھر 14۔ اگست کو چھٹی نہیں جشن ہو گا، ہر پاکستانی اپنے گھر، اپنی دکان، اپنے کھیت، اپنے دفتر، اپنے سکول، اپنے کالج اور اپنی فیکٹری میں سینہ تان کر پاکستان زندہ باد کے نعرے لگائے گا اور اپنے وطن کو عظیم سے عظیم تر بنانے کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرے گا۔ ان شاءاللہ



اردو زبان کا نفاذ اور انگریزی کے مضمرات

از قلم:-انیلہ افضال لاہور

اردو ہے جس کا نام ہمی جانتے ہیں داغ

سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

اردو زبان کب وجود میں آئی؟ اس کے کون سے لہجے معیاری ہیں اور کون سے لہجے غیر معیاری ہیں؟ لفظ اردو کا مطلب کیا ہے؟ یہ وقت اس بحث میں پڑنے کا نہیں- اس وقت اس بات کی بھی قطعاً ضرورت نہیں ہے کہ برصغیر پاک وہند میں اور آج موجودہ ہندوستان میں اردو زبان کے ساتھ کیا سلوک روا ہے؟

قابل توجہ بات یہ ہے کہ جب بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح نے قیام پاکستان سے قبل ہی یہ واضح کر دیا تھا کہ پاکستان کی قومی اور سرکاری زبان اردو ہوگی اور جب اس مملکت خداداد کو آئین و دستور ملا اور اسی دستور پاکستان کی دفعہ 251 کے مطابق پاکستان کی قومی زبان اردو ہے اور آئین کے نفاذ سے 16 برس کے اندر اس کے دفتری اور دیگر مقاصد میں استعمال کے انتظامات کیے جائیں گے۔ تو دستور کا نفاذ حکومت وقت کی ذمہ داری ہوتی ہے مگر اس کے باوجود یہ ذمہ داری التوا کا شکار رہی اور اردو کی جگہ انگریزی بطور سرکاری زبان رائج رہی جس نے بہت سے مسائل کو جنم دیا ہے-

انگریزی نواز طبقے کا سوال اکثر یہ ہوتا ہے کہ آخر انگریزی زبان میں قباحت کیا ہے؟ انگریزی ایک بین الاقوامی زبان ہے اور دنیا کی ابادی کا ایک بڑا حصہ انگریزی بولنے اور سمجھنے والوں پر مشتمل ہے- اگر ترقی کرنی ہے تو انگریزی تو سیکھنی ہی ہوگی، بولنی ہی ہوگی-تو بھائی! ہم کب منع کر رہے ہیں؟ ہمیں نہ تو انگریزی سے کوئی قباحت ہے نہ ہی ہم کسی دوسری زبان کے سیکھنے کو برا سمجھتے ہیں ہم تو صرف اپنی زبان کو اس کا جائز مقام دینے کی بات کر رہے ہیں- یاد رکھیئے! ہر قوم کو اپنی پہچان اور شناخت کے لئے چند علامتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ زبان بھی کسی قوم کی بہت بڑی پہچان ہوتی ہے۔ پاکستان چار صوبوں پر مشتمل ایک مضبوط اور مستحکم وفاق کا نام ہے اور اس کی قومی زبان اردو ہے۔ بحیثیت قومی زبان اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے- یہ زبان صرف رابطے کا ذریعہ نہیں ہے یہ زبان ہماری شناخت ہے اس میں قریب قریب آدھے الفاظ تو قرآن کی زبان کے ہیں اور اگر ہم گاندھی کے خیالات کو نظر انداز کر دیں تو یہ ایک فاش غلطی ہوگی یاد رکھیں کہ زبان کی اہمیت اور افادیت کے دو پہلو ہیں۔ پہلا پہلو الفاظ، حروف اور دوسرا پہلو رسم الخط ہے۔ اگر زبان کے حروف اور رسم الخط کی حفاظت نہ کی جائے تو زبان ختم ہو جاتی ہے۔ رسم الخط کی اہمیت سے دشمن بخوبی آشنا ہے۔ گاندھی کہا کرتا تھا کہ

ہمیں اردو پسند ہے، ہم اردو بولتے ہیں، اردو نے ہندوستان میں جنم لیا۔ ہمیں اردو سے پیار ہے مگر ہم چاہتے ہیں کہ اردو کا رسم الخط قرآنی نہیں ہونا چاہیے، اگر اردو زبان کا رسم الخط ہندی اور سنسکرت میں ہو جائے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اردو زبان کا قرآنی رسم الخط مسلمانوں کو قرآن سے قریب کرتا ہے اور قرآن بدیسی ہے، دیسی نہیں۔ تحریک پاکستان کے دوران مسلمان قیادت اور عوام

نے اردو زبان کی ابجد اور رسم الخط کی بھرپور حفاظت کی مگر آج پاکستانی قوم کا یہ حال ہے کہ وہ اردو زبان کو انگریزی رسم الخط میں لکھ رہے ہیں۔ اس وقت اردو زبان پاکستان کے اندر اجنبی زبان بنتی جا رہی ہے۔ ہماری نئی نسل کا ذریعہ تعلیم انگریزی بنا دیا گیا ہے۔ انگریزی زبان کو تعلیم و تربیت کی کنجی سمجھا جا رہا ہے۔ نوبت بایں جا رسید کہ عام اشتہار انگریزی رسم الخط میں لکھے ہوتے ہیں۔ ہمارے دور میں اردو کے حقوق بری طرح متاثر ہوئے ہیں۔ زمینی حقائق یہ ہیں کہ اردو کا استعمال سرکاری اور تعلیمی سطحوں پر یا تو بالکل بند کر دیا گیا ہے یا محدود رکھا جا رہا ہے۔ جب ہم اردو کے ان حقوق کی بحالی کا مطالبہ کرتے ہیں تو اس ملک کے کروڑوں لوگوں کی واحد مشترکہ زبان کا تحفظ اور ہر سطح کے تعلیمی اداروں اور دفتروں میں اس کے آزادانہ استعمال کے ان حقوق کی بحالی چاہتے ہیں جو انہیں تاریخی، اخلاقی اور قانونی طور پر ہمیشہ حاصل رہے ہیں لیکن گزشتہ پچاس سال کے دوران غیر معمولی طور پر پامال ہوئے ہیں-

قومی زبان کے تحفظ کی کوششوں کے نتیجے میں 8 ستمبر 2015 کو پاکستان کی اعلٰی عدالتوں نے اردو کو فی الفور بطور سرکاری و دفتری زبان رائج کرنے کا حکم دیا تھا مگر آج چار سال گزرنے کے باوجود نتیجہ ڈھاک کے وہی تین پات ہی ہے-ہمارا بہت بڑا المیہ یہ بھی ہے کہ ہم نے آزادی کے نام پر زمین کا ٹکڑا تو حاصل کر لیا مگر ذہنی طور پر وہی غلام کے غلام ہیں۔ ہمارا نظریہ تو اسلام ہے مگر ہمارے منظور نظر انگریز اور ان کی انگریزی ہے۔ اسی کشمکش میں ہم نے اپنی قومی شناخت کھو دی ہے اور باہمی انتشار کا شکار ہیں۔ دنیا کی کسی قوم نے خود پہ قابض دشمن فاتح کی پرستش نہ کی ہوگی جتنے ہم آزادی کے بعد اپنے دشمنوں کے پرستار ہیں۔ ہمیں انگریزی لباس، چھری کانٹے سے کھانا، انگریزی بولنا پسند کرتے ہیں۔ جو انگریزی نہیں جانتے وہ اکثر احساس کمتری کے مارے ان کے سامنے بولتے ہی نہیں۔ ہمیں اپنی چیزوں پہ حق جتانا نہیں آتا۔ ہمیں اپنی ہی زبان اپناتے شرم آتی ہے-

المختصر! اردو زبان نا صرف پاکستان کی قومی زبان ہے بلکہ پورے ملک کی واحد مشترکہ زبان ہے یہ نا صرف لاکھوں میل میں پھیلے ہوئے اس ملک کے لوگوں کو ایک دوسرے سے قریب کرتی ہے بلکہ یہ ہمارے لیے دین کی سمجھ کو بھی آسان کرتی ہے-ایک آخری بات خدارا ہمارے بچوں سے خواب دیکھنے کا حق تو نہ چھینیں کیونکہ خواب تو انسان اپنی زبان میں ہی دیکھتا ہے نا! اور ماؤں کی دعاؤں کو بھی انگریزی نہیں آتی۔

اُردو زبان کا نفاذ

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی

اگر تاریخی پس منظر کو سامنے رکھیں تو ہمیں مغلیہ حکومت میں فارسی کے ساتھ ساتھ اُردو کو سرکاری زبان کے طور پر متعارف کرانے کی کوششوں کا سراغ ملتا ہے۔ شاہ جہاں کے دور میں اُردو فرامین بھی قلم بند ہوئے۔ مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے بھی کچھ سرکاری امور اُردو میں انجام دیئے۔ سلطنت دکن میں اُردو زبان نے سرکاری حیثیت اختیار کی۔ اکبر سے 20 سال پہلے ابراہیم عادل شاہ جو دکن میں حاکم تھے انہوں نے مال (ریونیو) اور مالیاتی اُمور اُردو میں ہی نمٹائے۔

1833ء میں جے پور کشن گڑھ ریاست کے حاکم راجہ رام سنگھ نے اُردو کو سرکاری درجہ دیا جبکہ ریاست رام پور میں فارسی کی بجائے اُردو کا رواج ہوا۔ 1865ء میں ریاست ٹونک کے نواب محمد علی نے اُردو کو سرکاری زبان بنانے کا فیصلہ کیا۔

جب انگریزوں نے پنجاب میں قدم رکھا تو پنجاب کے Board of Administration کے سیکرٹری جی جے کرسچن نے یہ تجویز پیش کی کہ اُردو پنجاب میں دفتری وعدالتی زبان ہونی چاہیے۔ چنانچہ یہ اُن کی کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ 1851ء میں ڈیرہ غازی خان میں فارسی کی بجائے اُردو سرکاری زبان نافذ ہوئی۔

ضلع ہزارہ میں بھی اُردو کو سرکاری زبان کا درجہ ملا۔ 1854ء میں لیہ ڈویژن (Division) تھا وہاں بھی اسی سال اُردو بطور دفتری و عدالتی زبان نافذ ہوئی۔ 1854ء میں پشاور اور کوہاٹ میں بھی اُردو کو سرکاری زبان کا درجہ ملا۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے فرمایا: قیامِ پاکستان کے بعد ”اُردو ہی پاکستان کی قومی اور سرکاری زبان ہو گی۔“ قائداعظم کے اس فرمان سے اُردو کی بطور قومی، سرکاری اور رابطے کی زبان کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

پاکستان بننے کے بعد حکومت پنجاب کی ان کاوشوں کا ذکر کیا جائے گا جو اُردو کے نفاذ کے سلسلے میں کی گئیں۔ 2 دسمبر 1949ء کو مجلس زبان دفتری پنجاب (لاہور) کا قیام عمل میں آیا۔ چنانچہ ایک کمیٹی بنی جس کے چیئرمین جسٹس ایس اے رحمن تھے۔

اس کمیٹی کا مقصد یہ تھا کہ حکومت کو یہ تجاویز بھجوائی جائیں کہ اُردو کو بطور سرکاری زبان نافذ کیا جائے۔ جولائی 1950ء میں مجلس مترجمین (Board of Translators) کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے میر مجلس پروفیسر محمود احمد خان تھے جو عثمانیہ یونیورسٹی کے ریٹائرڈ رجسٹرار تھے۔

ستمبر 1950ء میں علیحدہ مجلس استناد قائم کی گئی۔ ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، صوفی غلام مصطفی تبسم، سید وقار عظیم، نذیر نیازی وغیرہ اس کے رُکن تھے۔ 10 اگست 1950ء کو حکومت پنجاب نے ایک گشتی مراسلہ شائع کیا کہ ضلعی سطح کے دفاتر میں انگریزی کی بجائے اُردو نافذ کی جائے۔

حکومت پنجاب نے فروری 1951ء میں یہ احکام جاری کیے کہ آئندہ تمام سرکاری اُردو مطبوعات حتی الامکان نسخ ٹائپ میں طبع کی جائیں۔

23 نومبر 1965ء کو حکومت نے احکام جاری کیے کہ تربیتی اداروں میں زیرِ تربیت افسروں کی دفتری اُردو سے آگاہی کے لیے اُردو دفتری اصطلاحات و محاورات شاملِ نصاب کی جائیں۔

مجلس زبان دفتری پنجاب نے دفتری اصطلاحات و محاورات کے تراجم شائع کئے اور فہرستیں ترتیب دیں۔ 1971ء میں 11 کتابچے شائع کیے

جو محکمانہ اصطلاحات و محاورات پر مشتمل تھے۔ 1974ء سے 1981ء تک کے عرصے میں حکومت پنجاب نے 707 اُردو ٹائپ مشینیں خریدیں۔

اس کاوش سے بھی اُردو کی بطور دفتری زبان ترویج ہوئی۔ 1976ء میں اُردو لغت کی اشاعت ہوئی اس میں 35 ہزار اصطلاحات شامل تھیں۔ مجلس زبان دفتری، حکومت پنجاب کی یہ کاوش قابلِ تعریف تھی۔ 1989ء میں اُردو لغت کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔

اس میں 35 ہزار اصطلاحات کے علاوہ 4 ہزار اصطلاحات کا اضافہ کیا گیا۔ مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد نے اس لغت کو سند سے نوازا۔

اُردو کی ترویج کے سلسلے میں حکومت پنجاب کی دیگر کاوشیں ملاحظہ ہوں:

ایکٹ سول ملازمین پنجاب (1974ء) کا ترجمہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی قوانین کے ترجمے حکومت پنجاب کی کاوشوں سے ہوئے۔ علاوہ ازیں اُردو کی ترویج کے لیے مجلس زبان دفتری حکومت پنجاب کی مندرجہ ذیل کاوشیں قابل ذکر ہیں۔ مثلاً:

1۔ عوام سے درخواستیں اُردو میں وصول کی جائیں۔

2۔ عوام کے استعمال میں آنے والے فارم اُردو میں شائع ہوں۔

3۔ افسروں کے ناموں اور عہدوں کی تختیاں اُردو میں آویزاں ہوں۔

4۔ سرکاری ملازمین کو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے دفتری اُردو کورس کروائے جائیں۔

5۔ سرکاری گزٹ میں احکام اُردو میں جاری ہوں۔

6۔ نیپا لاہور اور سیکرٹریٹ ٹریننگ انسٹیٹیوٹ میں اُردو مراسلت نویسی اور کیفیت نویسی (Noting) کے کورسز کروائے جائیں۔

مئی 1981ء میں پنجاب کے اضلاع میں ڈپٹی کمشنروں کی سربراہی میں ضلعی مجالس زبان دفتری قائم کی گئیں۔ پنجاب پبلک سروس کمیشن کو حکومت کی طرف سے یہ تحریک دی گئی کہ کمیشن کے امتحانات تحریری اور انٹرویو دونوں صورتوں میں اُردو کو ذریعہ اظہار بنانے کی اجازت دی جائے۔

مارچ 1981ء میں جریدہ ''اُردونامہ'' شائع ہوا۔ اس کی سفارش مجلس زبان دفتری نے کی تھی۔ پہلے یہ جریدہ ماہانہ تھا مگر مارچ 2002ء سے سہ ماہی کر دیا گیا۔ 1991ء کا سال اُردو کی ترویج میں اہم حیثیت رکھتا ہے۔ غلام حیدر وائیں وزیر اعلیٰ پنجاب نے خود مجلس زبان دفتری کا چیئرمین بننا قبول کیا۔

پنجاب میں اُردو کی ترویج کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ 1992-1993ء میں محکمہ خزانہ حکومت پنجاب نے اس مالی سال میں اُردو ٹائپ رائٹر اور اُردو کمپیوٹر وغیرہ کے لیے محکموں کو دو کروڑ روپے دیئے۔

1999ء میں مجلس زبان دفتری پنجاب کی از سر نو تشکیل ہوئی۔ مجلس زبان دفتری نے اُردو مختصر نویسی کے لیے بھی کورسز کروائے۔ چند سال پہلے سپریم کورٹ آف پاکستان نے اُردو کے بارے میں فیصلہ دیا کہ اسے بطور سرکاری زبان نافذ کیا جائے لیکن بیوروکریسی کی لاپرواہی اور عدم توجہ کی وجہ سے ابھی تک اُردو کو قومی سطح پر صحیح مقام نہیں ملا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ عدالتوں اور دفاتر میں اُردو زبان کو نافذ کیا جائے اور پاکستان میں تمام مقابلہ جات کے امتحانات اُردو میں منعقد ہوں۔ شروع شروع میں امتحان کے امیدواروں کو اجازت ہو کہ وہ چاہیں تو جوابات انگریزی یا اُردو میں حل کریں۔

اردو کا نفاذ کیوں ضروری ہے؟

ثروت اقبال

سوال یہ ہے کہ اردو کا نفاذ کیوں نہیں ہو سکا؟ وہ کون لوگ ہیں جو اردو نافذ نہیں کرنا چاہتے؟ وہ کون لوگ ہیں جن کا مفاد نفاذِ اردو نہ ہونے سے وابستہ ہے۔۔؟ اور وہ جو روڑے اٹکاتے ہیں کہ اردو بحثیت قومی زبان نافذ نہ ہو سکے۔ عدلیہ اور حکومتی ادارے اردو کو نافذ کرنے میں کیوں ناکام رہے؟ یا پھر یوں کہ سکتے ہیں کہ وہ اردو نافذ کرنے میں دلچسپی ہی نہیں رکھتے۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ اس ملک میں اردو بولی جائے۔ سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر تمام کاغذی کاروائی قومی زبان میں ہو۔ ان کی جہالت نے اس حد تک انہیں اندھا کر دیا ہے کہ اردو میں کام ہو یا انگریزی میں یا روسی زبان میں یا فرانسیسی میں، انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ ملک کی قومی زبان ملک میں نافذ نہ ہونے سے یہاں کے ماضی، حال، اور مستقبل پر کتنے برے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ عدالتی اور حکومتی ادارے اس چیز کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے کہ ملک کے ۹۵ فیصد لوگ قومی زبان اردو بولنا چاہتے ہیں۔ اپنی قومی زبان میں تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ آسانی کے ساتھ مستقبل میں ترقی کی طرف گامزن ہوں۔ عدلیہ اور حکومتی ادارے ملک کے اہم ستون ہوتے ہیں مگر ان ستونوں میں ہی دراڑیں ہوں تو وہ عوامی امور کو سنبھالنے میں ناکام رہتے ہیں۔ جیسے اردو نافذ کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ غلام ذہنیت رکھنے والے، اور چند ٹکوں کے عوض بِک جانے والے یہ لوگ جنھوں نے بڑا قدم یہ اٹھایا کہ ملک میں قومی زبان ہی نافذ نہ ہونے دی جائے۔ لوگوں کے ذہنوں کو غلامی سے آزاد نہ ہونے دیا جائے اور انگریزی زبان کی زنجیروں سے ان کے ذہنوں کو مقفل کر دیا جائے۔ تاکہ یہ اپنے ملک کے بارے میں آزادانہ سوچ بھی نہ سکیں۔ اور اگر سوچیں بھی تو اس میں غلامی کا عنصر ضرور پایا جائے۔ عوام اور اشرافیہ کے درمیان، اعلی معیار کے اسکول، کالج اور جامعات کے درمیان انگریزی زبان کی رکاوٹیں کھڑی ہیں۔

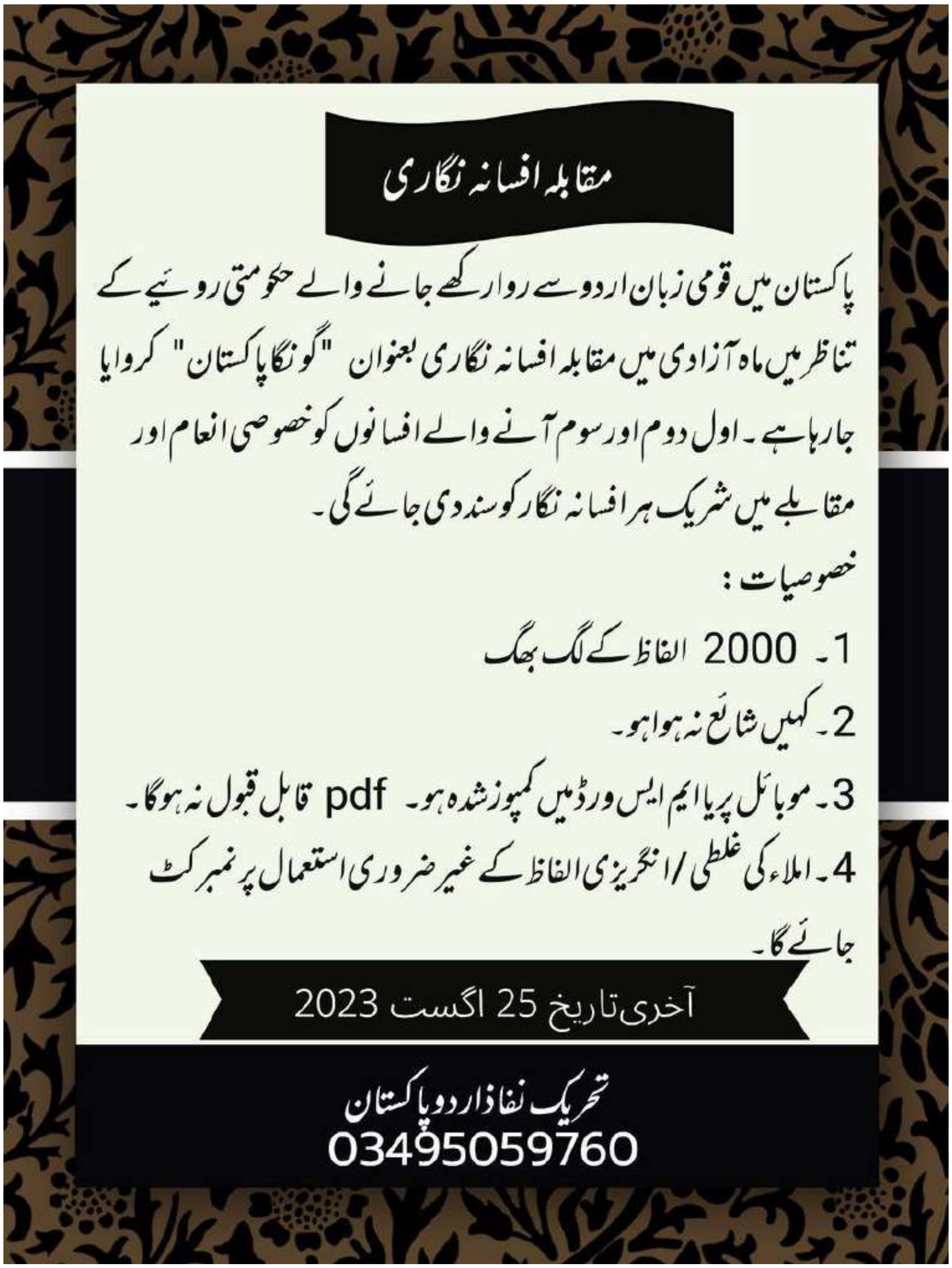
اپنی ہی قومی زبان کو دفاتر میں رائج کرنے کے لیے تنظیمیں بنانی پڑتی ہیں۔ مہمات چلانی پڑتی ہیں۔ لوگوں کو نفاذِ اردو کے لیے کھڑا ہونے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ دنیا کے کسی بھی ملک میں اپنی ہی قومی زبان کو رائج کرنے کے لیے یہ سب کرنے کی ضرورت کبھی کسی کو پیش نہیں آئی۔

ہماری صلاحیتوں کو، ہماری ذہانتوں کو، ہماری قوتوں کو بانٹ دیا گیا ہے۔ تاکہ ہم کسی بھی نکتے پر مرکوز ہو کر ترقی کی راہوں پر نہ چل پڑیں۔ ان ملک دشمن عناصر نے ہماری ترقی کی راہ میں انگریزی زبان کو لا کھڑا کیا ہے۔ تاکہ ہم جو کچھ بھی سوچیں وہ خالصتاً ہمارے لیے نہ ہو۔ انگریز ہمارے ذہنوں پر مسلط رہے اور غلامی کے اس طوق کو کبھی ٹوٹنے نہ دیا جائے۔ جو ہمارے بڑوں نے، ہمارے آباؤاجداد نے، بے شمار قربانیاں دے کر اتار پھینکا تھا۔ جس قائد کو انگریزی زبان پر عبور حاصل نہ تھا اس نے اس ملک کے لیے اردو کو قومی زبان منتخب کیا۔ مگر قیامِ پاکستان کے بعد، یہاں کے وہ بااختیار پرزے، جنھیں انگریزی کے حروفِ تہجی بھی پورے نہیں آتے۔ وہ چند ٹکوں کی عوض بک جانے والے، انگریزوں کی غلامی کو پسند کرتے

ہوئے، اپنی ثقافت، اپنی تہذیب، اپنے قومی تشخص اور اپنی قوم کی پہچان کا سودا کر بیٹھے ہیں۔ ایسے لوگ انتقال کر جائیں تو ان کے گھر والے ان کی قبر پر کتبہ بھی انگریزی میں ہی لگواتے ہیں تا کہ دوسروں پر رعب پڑے۔ ان کے اس عمل سے ان کی غلامانہ ذہنیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اپنے گلے میں انگریزی کا طوق پہن کر، اردو بولنے والوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایسے لوگ پوری دنیا میں ہمارے ملک کے لیے ذلت و رسوائی کا سبب ہیں۔ جنہیں قومی تشخص کا احساس نہیں ہوتا اور وہ دنیا بھر میں پاکستان کی نمائندگی غلامی کے طوق کے ساتھ کرتے ہیں۔ بہر حال اس بے حسی کے خلاف منظم ہو کر آواز اٹھانا ہمارا فرض بن چکا ہے۔ اس فرض سے غفلت ہماری نسلوں کو اردو زبان سے دور کرنے کا سبب ہے۔ بہترین اسلامی کتب کے استفادہ سے محرومی کا سبب بھی ہے۔

آو! اے اہلِ وطن! نفاذِ اردو کی خاطر کم از کم ہم وہ چڑیا ہی بن جائیں جس نے نتائج کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی چونچ میں پانی کا ایک قطرہ لا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا تھا۔



یک پاکستان

میں قومی زبان اردو کا کردار

محمد اسلم نشتر (خوشاب)

تحریک نفاذ اردو نے اس عظیم موضوع کا انتخاب کیا جو وقت کا اہم تقاضا ہے اور اہم ملکی ضرورت و تاریخ سے وابستگی کا اظہار بھی ہے اور تحریک پاکستان کا بلحاظ مجموعی ادراک حاصل کرنے کی مبارک کوشش بھی یہ موضوع ہمہ جہت ہے، اس میں شامل تین الفاظ تحریک اردو اور پاکستان بظاہر مختلف جہات کے حامل ہیں مگر بغور جایزہ لیا جائے تو یہ تینوں باہم دگر وحدانی حیثیت رکھتے ہیں.

وطن عزیز کی ضرورت کیوں پیش آئی یہ اولیں سوال ہے اس کی گتھیاں سلجھانا ناگزیر ہے، موضوع کی وسعت کا احاطہ تبھی ممکن ہے جب ہم پاکستانی قوم کے عناصر ترکیبی پہ نظر ڈالیں، ازاں بعد دو قومی نظریہ کے باعث آزاد مملکت کی اہمیت پہ روشنی ڈالیں اس عظیم الشان تاریخی تحریک کو بھی مد نظر رکھیں جو حصول ارض پاک کے لیے برپا کرنا ناگزیر تھی، جہاں تک کسی قوم کے عناصر ترکیبی کا تعلق ہے بالعموم انہیں رنگ، نسل، علاقہ زبان اور مشترکہ مفادات کے زمروں میں تقسیم کیا جاتا ہے، بیسویں صدی کے عبقری شاعر جنہیں خالق ارض و سما نے عصری شعور کی نعمت عطا فرمائی تھی قوم کے اجزائے ترکیبی یوں بیان فرماتے تھے:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی ملت کا ہے ملک و نسب کہ انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے ملت تیری

شاعر مشرق کی عمیق نظری کس سے مخفی ہے، مزکورہ بالا اشعار اس کا مظہر اتم ہیں، رنگ نسل علاقہ یہ بنیادیں کافر قوموں کیلئے درست



تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر وہ قوم جو ملت ابراہیمی کے نام سے سرفراز ہے، جو امت محمدیہ کی سرمدی لقب کی حامل ہے، جو دین الٰہی کے ماننے والی ہے، جو خالق ارض و سما کے ابدی پیغام کی حامل ہے، اس کی تشکیل میں دین اسلام خشت اول ہے، عقیدہ توحید رسالت اور آخرت امت مسلمہ کا امتیازی نشان ہے۔ اسلام غالب ہونے کیلئے آیا ہے، مغلوب ہونا اسلام کے مزاج کے خلاف ہے، بے شک اللہ تعالٰی نے رسول مبعوث فرمایا دین حق کے ساتھ تاکہ اسے دنیا کے تمام ادیان پہ غالب فرمائے، خواہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار گزرے ملت اسلامیہ کی تشکیل عقیدہ توحید کی بنیاد پر ہے اسلام ہر دور کے کفار کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے، اسلام کے مقابلے میں کفر ملت واحدہ ہے کفار اسلام کے ازلی دشمن ہونے کے باعث اسے مٹانے کے درپے رہتے ہیں مگر

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

تہذیب اور زبان میں چولی دامن کا رشتہ ہے، تہذیب اور زبان ایک سکے کے دو رخ کہے جاسکتے ہیں، تہذیب زندگی گزارنے کے اطوار ہیں تو زبان ان اطوار کی ترسیل اور تفہیم کا بہت بڑا ذریعہ ہے، تہذیب ملی سوچ ہے تو زبان اس سوچ کی آواز ہے، تہذیب فکر و عمل سے عبارت ہے تو زبان اسی فکر و عمل کی موثر تشہیر آلہ ہے، الغرض تہذیب اور زبان باہم اٹوٹ رشتے میں منسلک ہیں۔

اردو اور تحریک پاکستان میں گہرا فکری ربط ہے، اردو برصغیر کے طول و عرض میں بولی جانے والی واحد زبان تھی جو رابطے کا موثر ذریعہ تھی اردو کی بدولت مسلم لیگ کا پیغام ہر گلی کوچے اور قریہ و بازار تک پہنچا، اردو کے باعث مسلمانوں کی علیحدہ شناخت متعین ہوئی دین اسلام کے بعد مسلمانوں کا دوسرا امتیازی نشان اردو زباں تھی، تحریک پاکستان میں اردو کا کردار کسی ذی شعور سے مخفی نہیں انگریزوں اور ہندوؤں کی ریشہ دوانیوں کے باعث مسلمانوں میں ہر دو غاصب قوتوں کے خلاف نفرت کا پایا جانا فطری امر تھا، اردو ہندی تنازعے نے جلتی پہ تیل چھڑکا، ہندو ہر طرح سے اردو کو دبانے کے درپے تھے، انہیں مسلمانوں کی طرح ان کی زبان سے بھی خدا واسطے کا بیر تھا، مسلمانوں کے اندر یہ احساس قوی ہو تا گیا کہ ہندو اور انگریز ان کی تہزیب کے دشمن ہیں ان کی زبان کے مخالف ہیں ان کی الگ شناخت مٹانے کیلئے مختلف حربوں سے کام لیتے ہیں، انھی وجوہات کے باعث مسلمان قوم نے تحریک پاکستان کے دوران اردو کو بھرپور طریقے سے استعمال کیا، میرے اپنے الفاظ میں اردو اور تحریک پاکستان لازم و ملزوم رہے ہیں.

ملت بیضا کی ترجمانی کا
ہند میں اک نشان ہے اردو
تیرا احساں تحریک آزاد
مانتا ہر انسان ہے اردو

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ تحریک پاکستان والے جذبے کے تحت وطن عزیز میں نفاذ اردو کیلئے کام کیا جائے، تحریک نفاذ اردو پاکستان کے پیغام کو ہر گھر تک پہنچایا جائے تا کہ ہم بحیثیت قوم دنیا میں نام کمائیں، فکری کج روی سے محفوظ رہیں اور آنے والی نسلوں کیلئے اردو کا ورثہ چھوڑ کر جائیں۔

"ہمارا پاکستان"

علوینہ سعد خان۔لاہور

یہ تو سچ ہے کہ چپ ہوں
پر سوچتی بہت ہوں
یہ وطن ہمارا پاکستان
کیں قربان لاکھوں جانیں تب یہ پایا ہم نے
پر اب مرتے ہیں کتنے لوگ یہاں
کب ہو گا ہمارا وطن شاد و آباد۔ کب ہم کریں گے اپنی
زبان پہ فخر کب ہو گا ہمارے ملک میں
قصور کس کا نہ جانے کوئی یہاں
جھوٹ ہے ہر سو چھایا
کوئی چیز نہیں بکتی بنا جھوٹ بولے
کوئی دن نہ گزرے بنا جھوٹ بولے
کون کرے گا یہ سب ٹھیک
امن
جب کسی معصوم کا خون نہ بہے گا
ہر طرف خوشیاں بکھریں گی
اللہ کرے وہ دن آئے محبت ہر طرف پھیل جائے
دیس ہمارا خوشیوں کا گہوارہ بن جائے
جھوٹ نہ بولے اب کوئی
ایسی بھی صبح طلوع ہو جائے.

کیا ہمارے فیصلے پاکستان میں ہوتے ہیں؟

تو نے دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر اقبال

وسعت اللہ خان کا کالم بات سے بات: تاریخ کا سب سے بڑا ڈاکہ

پندرہ نومبر 1884 کو برلن میں جرمن چانسلر بسمارک کی سرکاری رہائش گاہ کے ہال میں انگریزی حرف یو کی شکل کی میز کے ارد گرد چودہ مغربی ریاستوں کے مندوب بیٹھے اور پھر اگلے 104 دن کی کاوشوں کے نتیجے میں براعظم افریقہ کے نقشے کو سکیل اور پنسل کی مدد سے سرحدیں کھینچ کے آپس میں بانٹ لیا گیا۔

کسی افریقی کو اس کانفرنس میں مدعو نہیں کیا گیا۔ زنجبار کے سلطان کی جانب سے شرکت کی درخواست کو ٹھٹھول میں اڑا دیا گیا۔ کسی قبیلے کو خبر تک نہ ہوئی کہ ہزاروں میل پرے ایک میز کے ارد گرد بیٹھے چند اجنبیوں نے بنا پوچھے مصنوعی لکیریں لگا کے انھیں علاقہ بہ علاقہ قبیلہ در قبیلہ تقسیم در تقسیم کر دیا ہے۔ صرف ایک ملک اس کاٹ چھانٹ سے بچ پایا۔ ایتھوپیا۔

سنہ 1884 سے پہلے تک چند ساحلی نو آبادیاں چھوڑ کے لگ بھگ 80 فیصد افریقہ میں مقامی حکومتیں تھیں۔ افریقیوں کو تب پتہ چلا جب یورپی سامراجی طاقتوں نے برلن کانفرنس میں طے کردہ جغرافیائی اکھاڑ پچھاڑ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے خود الاٹ کردہ خطوں کا انتظام سنبھالنا اور مقامی معیشت و قدرتی وسائل کو باپ کا مال سمجھ کے برتنا شروع کیا۔ فرزندانِ زمین کی مزاحمت کو یا تو سفاکی سے کچل دیا گیا یا ترغیب، لالچ و رقابت کے ہتھیار پکڑا کے آپس میں لڑوا دیا گیا۔

مقامی ثقافت کو جبراً مغربیانے کی مہم شروع ہوئی، مقامی مذاہب و روایات و زبانوں کو گنوار اور پسماندہ ثابت کر کے سامراج پسند عقائد و ثقافت کو تھوپا گیا اور اس کے بل بوتے پر ایک مصنوعی تنگ نظر سامراج نواز شناخت و قوم پرستی ابھارنے کی کوشش ہوئی۔ کہیں یہ کوشش ناکام ہوئی تو کہیں کامیاب۔

اور پھر یہی ملغوبہ پچاس اور ساٹھ کی دہائی میں نام نہاد آزادی کے بعد سرحدی، نسلی و اقتصادی تنازعات اور خانہ جنگیوں کی شکل میں ہمارے سامنے پھیلتا چلا گیا۔ بیشتر افریقی ممالک پر ان حکمران طبقات کا تسلط ہے جنہیں آزادی کے بعد بھی وسائل لوٹنے اور اس لوٹ میں سابق نو آبادیاتی مفادات کا حصہ الگ کرنے اور کاسہ لیسی کی پالیسی نئے لبادے میں جاری رکھنے کے لئے تیار کیا گیا تھا۔

برلن کانفرنس افریقیوں کی نظر میں کیا تھی اور ہے؟ اس بابت نائجیریا کے ایک جریدے لاگوس آبزرور نے کانفرنس کے خاتمے کے فوراً بعد لکھا کہ 'اس سے بڑا ڈاکہ تاریخ میں کبھی نہیں پڑا۔

پہلے انھوں نے ہمیں جبری غلام بنا کے باہر بیچا۔ اب غلاموں کی آبائی سرزمین کی بھی کاٹ پیٹ کی جا رہی ہے۔'

آج برلن کانفرنس کے انعقاد کے 139 برس بعد بھی افریقہ کا خام مال افریقیوں کے خون سے زیادہ قیمتی ہے۔ افریقہ کی مالی و اقتصادی و سیاسی قسمت کے بنیادی فیصلے آج بھی افریقہ سے باہر ہوتے ہیں۔ ہم بھی بظاہر ہر افریقی ملک کی طرح آزاد ہیں۔ پر ہم پچیس کروڑ عوام کو بھی نہیں معلوم کہ ہماری قسمت کے فیصلے کہاں ہوتے ہیں؟ دوبئی، ریاض، بیجنگ، لندن، واشنگٹن؟ کہاں؟

ہم نہیں جانتے ہمارے کس رہنما کے تار کہاں کہاں جڑے ہوئے ہیں؟ اس کھیل میں دیسی اور بدیسی ایجنسیوں، اعلیٰ آئینی و سٹرٹیجک، مقدس، نیم مقدس اداروں، کارپوریٹ سیکٹر اور لینڈ ڈویلپرز کے درمیان کیا رشتہ ہے اور کس کو کس سے کیا فائدہ یا نقصان پہنچ رہا ہے۔ یہ گیم کتنی بڑی یا اوپر کی ہے یہ بھی نہیں معلوم۔ ہمارے سامنے تو بس چند معزز پیادے ہیں۔ ان کے اوپر کون کون سے مہرے ہیں۔ چال چلتے ہوئے ہاتھ تو نظر آتے ہیں پر ماسک زدہ شاطر دکھائی نہیں دیتے۔

کب بساط الٹ جائے، کب نئی بچھ جائے۔ کون سا مہرہ اب کس خانے میں فٹ ہو گا اور اگلی کتنی چالوں تک کارآمد ہو گا، کتنے گھر بدلے گا، کسی اور مہرے سے خود دپٹے گا یا پیٹ دیا جائے گا۔ حاشا و کلا کچھ نہیں پتہ۔ جانے کون کب آنکھیں چندھیانے والی سفید روشنی میں دھم سے لا کھڑا کیا جاوے اور ایک لمحے پہلے تک جو چہرہ اسی چندھیا دینے والی روشنی میں تماشائیوں کے سامنے پر اعتماد انداز میں ہاتھ ہلا رہا تھا کب اسے سٹیج کے بائیں کونے کے اندھیروں میں دھکیل دیا جائے اور اس کی تصویر میں سے چہرہ غائب ہو جائے، بس واسکٹ رہ جائے؟

حتٰی کہ ہم میڈیائی ڈھولیے بھی جو جھوٹا، سچا، کچا پکا، تحقیقی و تحقیری، نیلا پیلا مصالحہ جان کاری، آگہی و تجزیے کا لیبل لگا کے اخبار در اخبار چینل بہ چینل، گلی گلی، گھر گھر فروخت کر رہے ہیں، اس کی سپلائی اور پیکیجنگ بھی کس کارخانے سے بن کے آ رہی ہے، یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

آٹھ لاکھ مربع کلومیٹر کا یہ ملک غلام طبیعت اشرافیہ نے آپس میں کب بانٹ لیا پتہ ہی نہ چلا۔

لاہور ہائیکورٹ ملک بھر میں قومی زبان اُردو کے نفاذ کا فیصلہ جاری کر دیا

یاد رہے کہ مختصر فیصلہ ۱۳ فروری کو جاری کیا گیا تھا اور تفصیلی فیصلہ جاری کرنے میں چھ ماہ لگا دیئے۔ یہ ہے عدلیہ کا قومی زبان کے ساتھ رویہ۔ سپریم کورٹ نے فیصلہ پر فوری عملدرآمد کا حکم دیا تھا، ہائیکورٹ نے چھ ماہ کی مزید مہلت دے دی۔

لاہور: لاہور ہائیکورٹ نے ملک بھر میں قومی زبان اُردو کے نفاذ کے سپریم کورٹ کے فیصلے پر عملدرآمد کا حکم دیدیا۔ ملک بھر میں اُردو زبان کا سرکاری اداروں میں نفاذ کا تحریری فیصلہ انگریزی میں جاری کر دیا گیا۔ جسٹس رضا قریشی نے قومی زبان اُردو کے نفاذ کا فیصلہ انگریزی میں تحریر کیا۔ جسٹس رضا قریشی نے 13 فروری کو درخواست پر مختصر فیصلہ سنایا تھا جبکہ آج تحریری فیصلہ جاری کیا گیا ہے۔ لاہور ہائیکورٹ نے پروفیسر ڈاکٹر شریف نظامی کی درخواست پر فیصلہ جاری کیا۔ تحریری فیصلے کے مطابق متعلقہ اداروں کو فیصلے پر عملدرآمد کرنے کی رپورٹ چھ ماہ کے اندر پیش کرنے کا حکم جاری کیا گیا۔ تحریری فیصلہ کے مطابق آرٹیکل 189 کے تحت سپریم کورٹ کا فیصلہ ملک بھر اداروں، محکموں، سرکاری و نجی تنظیموں پر لاگو ہوتا ہے۔ عدالت عظمٰی نے وفاقی، صوبائی حکومتوں کو تمام قوانین کا تین ماہ میں اُردو زبان میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ وفاقی صوبائی حکومتوں کو رسم الخط کے معاملے پر باہم تعاون کرنے کی ہدایت بھی کی۔

پروفیسر محمد اکرم چوھدری کوٹلی آزاد کشمیر

دنیا کی ایسی اقوام جو اپنی زبان سے نفرت اور غیر زبان سے محبت کرتی ھیں وہ اپنی تہذیب اور ثقافت سے دور بلکہ اپنی شناخت ھی مٹا دیتی ھیں جس کی موجودہ مثال وطن عزیز پاکستان کی ھے کہ اردو جس کو سو فیصد لوگ بولتے، لکھتے اور سمجھتے ھیں اس کو چھوڑ کر ھم انگریزی کو سرکاری حیثیت دیکر اپنی زبان، تہذیب اور ثقافت کی نفی کر رھے ھیں اور غیروں کی پیروی میں سب کچھ لٹا رھے ھیں آج ھماری اعلٰی عدلیہ، فوج، سرکاری خط و کتابت اور کاروباری زبان انگریزی بنانے کی ھر سطح پر سر توڑ کوششیں جاری ھیں وطن عزیز کی آزادی کا دن 14 اگست ھے لھذا جملہ ارباب بست وکشاد سے گزارش ھے کہ اس موقع پر ھم قومی زمہ داری کا احساس کرتے ھوئے قومی زبان اردو کو سرکاری حیثیت دے کر ترقی یافتہ قوم کا ثبوت دیں۔۔

نفاذ قومی زبان کیسے ممکن ہے! دنیا کی جتنے ازاد ممالک ھیں ان میں سو فیصد سرکاری اور قومی زبان ھر ملک کی اپنی اپنی ھے سوائے پاکستان کے، مثلاً ھمارے پڑوس کے ممالک بھارت کی سرکاری زبان ھندی، افغانستان کی افغانی، ایران کی فارسی، نیپال کی نیپالی اور چین کی چینی زبان سرکاری اور دفتری ھے لیکن پاکستان کی سرکاری اور دفتری زبان انگریزی ھے جبکہ سو فیصد بولی اور سمجھی اردو ھے اور انگریزی ایک فیصد بھی عام بول چال کی زبان آج تک نہیں بن سکی اور اس کو سمجھنے والوں کی تعداد پانچ فیصد سے زائد نہیں تو پھر

کیا وجہ ھے ھے
کہ ھم نے اس
زبان کو سرکاری
اور دفتری بنالیا
جس کو پانچ فیصد
سمجھتے ھیں اور جو
سو فیصد
بولی، پڑھی اور
لکھی جاتی ھے اس
کو چھوڑ کر پانچ فیصد سرکاری اور دفتری بنالیا یہ پاکستان کی کھلم کھلا مخالفت نہیں تو اور کیا ھے ؟ اور ہمارے سیاستدان، ججز، فوج اور اعلی سول اور فوجی اداروں کے سربرھان ایک ایسی زبان کو اختیار کرنے سے شرماتے ھیں جس کے اختیار کرنے سے ھم پانچ سالوں میں ترقی یافتہ قوم بن سکتے ھیں لہذا اردو زبان کو اختیار کر کے دنیا کی باوقار قوم بنیں اور احساسِ محرومی سے چھٹکارا حاصل کریں، جاری ہے

اج تک جتنے ملکوں نے ترقی یافتہ ملک کی حیثیت حاصل کی ھے ان میں قومی زبانوں کا کردار اھم رھا ھے مثلاً انگریزی کو برطانیہ میں تیرھویں صدی عیسوی میں قومی زبان کا درجہ دے کر مملکت برطانیہ اور زیر نگیں ملکوں میں تمام سرکاری اور دفتری نظام انگریزی میں منتقل کرنا شروع کیا اور پندرھویں صدی عیسوی تک دیگر زبانوں سے بھی استفادہ کیا جاتا رھا البتہ اہمیت انگریزی کو حاصل رھی اور اٹھارھویں صدی نصف تک پوری دنیا تک پھیل گئی اور اج دنیا کی سائنسی، علمی اور رابطے کی زبان بن گئی ھے، انگریزی سے قبل عربی زبان نے بھی یہی حیثیت حاصل کی ھوئی تھی جس کی بہترین مثال



حضرت عمر
رضی اللہ
تعالیٰ عنہ
کی اسلامی
فتوحات
اور ترقی
عربی زبان
تھی جس
میں
سائنسی، علمی اور معاشی علوم کے لئے عربی ھی رابطے کی زبان تھی جو مسلمانوں کی مزھبی زبان کا درجہ بھی رکھتی ھے تیسرے نمبر مسلمانوں کے برصغیر پر قبضہ سے پہلے گوجری زبان کو پہلے سنسکرتی رسم الخط میں اور پھر عربی، فارسی رسم الخط میں جب لکھا اور پڑھا جانے لگا تو یہ دو بڑی تہزیبوں، مذاھب کی نمائندہ بن کر ابھری جس کو مسلمانوں نے پہلے گوجری اور پھر اردو کے نام سے پکارنا شروع کر لیا جبکہ دوسری طرف غیر مسلم اقوام نے پہلے گوجری اور پھر ھندی کے نام سے پکارنا شروع کر لیا، گویا اردو وہ زبان ھے جس کے خمیر میں گوجری، رسم الخط میں عربی، فارسی اور صوتیات میں گوجری اج تک عام فہم اور رابطے کی زبان کے طور پر پورے برصغیر اور دنیا میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص اھم کردار ادا کرتی ارھی ھے جس میں سائنسی، علمی اور مذھبی مقام حاصل ھے لھذا پاکستان کے مستقبل کی یکجھتی، ترقی اور رابطے کی زبان اردو کو سرکاری، عدالتی اور دفتری زبان کے نافذ کئے جانے کی اشد ضرورت ھے

تحریکِ پاکستان میں قومی زبان کا کردار

تسنیم کوثر، راجن پور

تحریکِ ازادی اور اردو زبان کا مضبوط اور اٹوٹ رشتہ ہے۔ تحریک ازادی کے متوالوں نے اردو زبان کے ذریعے ہی اہم کارنامے سرانجام دیے۔ اردو زبان کی مختلف اصناف نظم، نثر اور صحافت کے ذریعے تحریکِ ازادی کے مجاہدین نے حکومتِ انگلستان کی نیندیں حرام کر دی تھیں۔

تحریکِ پاکستان میں عوامی رابطے کی زبان اردو تھی۔ نظریہ پاکستان کی تبلیغ بھی اردو زبان میں ہی ہوتی رہی تھی۔ اور ادبی محاذ پر ہمارے شاعر اور ادیب اردو زبان میں نظریہ پاکستان کا تحفظ کرتے رہے۔

تحریکِ پاکستان میں مختلف زبانیں بولنے والے علاقوں میں سے اگر کسی زبان نے رابطے کا کام دیا تو وہ صرف اردو ہی تھی۔ سیاست دان اسی زبان کو ذریعہ اُظہار بناتے رہے۔ مقررین اسی زبان کے ذریعے عوام کے دلوں کو گرماتے اور جذبات کو بھڑکاتے رہے۔ مفسرین اسی زبان میں قران کی تفسیر لکھتے رہے۔ گاندھی سے لے کر نہرو تک، ابو الکلام آزاد سے لے کر مولانا شبیر احمد عثمانی تک سب نے اس زبان کو اپنایا۔ قائد اعظم بھی انگریزی کی ہمہ دانی کے باوجود اردو ہی کو ذریعہ ءاظہار بناتے رہے سب جانتے ہیں کہ قائد اعظم سے زیادہ انگریزی علم و ادب کا فاضل کون تھا؟ لیکن انہوں نے اردو ہی کو پاکستان کی قومی زبان قرار دیا کیونکہ وہ خوب سمجھتے تھے کہ جب تک کسی قوم کا الگ تشخص نہ ہو۔ ان کا لباس اور ان کی زبان اپنی نہ ہو اس وقت تک ان کے خیالات میں انفرادیت نہیں آیا کرتی اور نہ ہی ان کی سوچ قومی سطح پر نکھر سکتی ہے۔

جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلم قوم سیاسی، تعلیمی اور اخلاقی اعتبار سے بالکل مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ اس مایوسی کے عالم میں سر سید احمد خان کی پر کشش شخصیت مسلمانانِ ہند کے لیے فرشتہ ُرحمت ثابت ہوئی۔ جس نے تاریکیوں میں علم و عمل کی شمع روشن کر کے مسلمانوں کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو گردابِ بلا سے نکال کر ساحلِ مراد تک لے جانے کی مخلصانہ کوششیں کیں۔ اردو زبان کو ذریعہ ُاظہار بنا کر حقیقت کو نوکِ قلم سے صفحہِ قرطاس پر بکھیر کر فرنگی سامراج کی بدگمانیوں کو دور کرنے کی کوشش کی۔ سر سید احمد خان نے جنگ آزادی کے شہداء کے خون کو خاک میں جذب ہونے نہیں دیا بلکہ اس کی روشنائی سے وہ تحریر لکھ دی کہ جس نے قوم میں نئی زندگی، نئی روح اور نئی تڑپ پیدا کر دی۔

انہوں نے رسالہ تہذیب الاخلاق کے ذریعے مسلمانوں کی اخلاقی تربیت کی۔ مسلمانوں کو ایک علیحدہ تشخص کی حامل قوم قرار دے کر ان کے لیے واضح راہِ عمل متعین کر دیا۔ سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء کرام کی مساعیِ جمیلہ سے بکھری ہوئی مسلمان قوم ایک نئے حوصلے کے ساتھ میدان عمل میں اگئی۔

بقول شاعر

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر

لوگ ساتھ اتے گئے اور کارواں بنتا گیا

جس طرح بھی چل پڑے ہم آبلہ پایانِ شوق

خار سے گل' اور گل' سے گلستان بنتا گیا

اردو ادب کے عناصرِ خمسہ جو ہماری تاریخ کا سرمایۂ افتخار ہیں. ان میں محمد حسین ازاد الطاف حسین حالی اور شبلی نعمانی کا ایک خاص مقام و مرتبہ ہے۔ حالی اور شبلی نے قلم کے ذریعے اردو زبان کو ذریعۂ اظہار بنا کر سوئی ہوئی قوم کو گہری نیند سے بیدار کرنے کا کارنامہ سرانجام دیا۔ ان عظیم ادیبوں اور شاعروں نے مسلم قوم کو ان کا شاندار ماضی یاد دلایا۔ حال کی پستی اور خستہ حالی کا احساس دلایا اور مستقبل کے اندیشوں سے آگاہ کیا۔ ہمارے ان عظیم رہنماؤں نے محسوس کیا کہ مسلمان قوم سے روح اور عمل ختم ہو گیا ہے نہ اس کی اذان میں کوئی کشش ہے نہ نماز میں کوئی روح، نہ اس کی صفوں میں اتحاد ہے

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے

وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

تجھے اس قوم نے پالا ہے اغوش محبت میں

کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سرِ دارا

حالی کی نظموں اور محمد علی جوہر کی کاوشوں نے ہماری ویران منڈیروں کے گرد سبز ہالہ بن' دیا۔ گئی رتوں کی خوشبو کو رنگوں سے ملا دیا۔ امیدوں کے ٹمٹماتے چراغ ہر دل میں روشن کیے۔ چاند دھنک اور خوشبو کا رشتہ گم گشتہ راہوں سے جوڑ دیا۔ تحریکِ خلافت کے اجلاسوں کی تمام تر کاروائی اردو زبان میں لکھی جاتی تھی۔ اس تحریک کی جانب سے شائع ہونے والا تحریکی ادب عام استفادے کے خیال سے اردو میں شائع کیا جاتا تھا۔ محمد علی جوہر نے روزنامہ خلافت کے ذریعے بھی مسلمانوں کو ان کے مقام اور مرتبے سے آگاہ کیا۔ مجلس خلافت کا منشور اس کے کتابچے، اسناد و دستاویزات، خطبات اور قرار دادیں سب اردو میں مطبوعہ ہیں محمد علی جوہر کی نظموں نے بھی مسلمان قوم میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔ آج ادب کے بے رحم نقاد کہتے ہیں کہ محمد علی جوہر کا تحریک پاکستان میں کارنامہ کیا ہے؟

مردِ غازی کے کارناموں کا اندازہ فتوحات اور مال غنیمت سے نہیں بلکہ بہتے ہوئے لہو کی خون آلود زرہ اور ٹوٹی ہوئی تلواروں سے لگایا جاتا ہے۔

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز

ہے یہی رختِ سفر میر کارواں کے لیے

مجاہدین آزادی کی جس زبان نے فرنگی حکومت کی بنیادیں ہلا ڈالیں وہ زبان صرف اردو ہی تھی۔ اردو زبان نے دوسری زبانوں کے مقابلے میں حب الوطنی کے جذبے کو سب سے زیادہ تقویت پہنچائی۔ تحریکِ پاکستان میں اردو زبان میں جس شاعر کا سب سے اہم اور ناقابل فراموش کردار رہا وہ مصورِ پاکستان ڈاکٹر علامہ محمد اقبال ہیں۔ ان کی نظم و نثر نظریہ پاکستان کی عکاس اور محافظ ہے۔ اردو شاعری کے ذریعے انہوں نے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کر کے نویدِ صبح کا پیغام دیا۔ اقبال نے خونِ جگر میں ڈوبی ہوئی شاعری کے ذریعے بھٹکی ہوئی مسلمان قوم میں احساسِ خودی پیدا کیا۔ انہیں حال کی پستیوں کا احساس دلاتے ہوئے اور ماضی کا روشن آئینہ دکھاتے ہوئے ایک تابندہ مستقبل کے حصول پر آمادہ کیا۔

غلامی میں نہ کام اتی ہیں تدبیریں نہ شمشیریں

گر ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

اقبال کی شاعری نے برصغیر کے بھٹکے ہوئے مسلمانوں کے لیے صورِ اسرافیل کا کام کیا۔ مرکزیت اور اتحاد کو پارہ پارہ ہوتے دیکھ کر مسلمانوں کو ایک ہونے کا مشورہ دیا۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے

نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاک کاشغر

تحریکِ آزادی کے ایک اور گوہرِ نایاب رہنما حسرت موہانی ہیں۔ حسرت ایک فرد کا نام نہیں بلکہ جذبہ ُحریت کا نام ہے۔ انہوں نے راہ آزادی میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنے کے باوجود حق وسچ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔ ان کے اشعار کوثر و تسنیم میں دھل کر لفظوں کی مالا میں ڈھلتے تو نہ صرف دلوں کو جھنجوڑتے بلکہ روح کو اک سرمدی کیفیت عطا کرتے تھے. آپ تحریک پاکستان کے بڑے جوشیلے اور جذباتی جان نثار رہنما تھے۔ اپ بیک وقت سیاسی رہنما اور اردو زبان کے اعلی پائے کے شاعر بھی تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے برطانوی سامراج کو بڑی بے باکی سے للکارا جس کی وجہ سے ان کو کئی بار جیل بھی جانا پڑا۔

مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی

اک طرفہ تماشہ ہے حسرت کی طبیعت بھی

ہر چند ہے دل شیدا حریتِ کامل کا

منظور دعا لیکن ہے قید محبت بھی

مولانا ظفر علی خان نے بھی اردو شاعری اور اردو صحافت کے ذریعے تحریک پاکستان میں اہم کردار ادا کیا۔ قائد اعظم کے دست راست رہے۔ مولانا ظفر علی خان پر جوش مقرر اور شعلہ بیان مقرر تھے اس عہد کے سب سے زیادہ شائع ہونے والے اردو اخبار زمیندار کے ذریعے انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو آگاہی اور شعور دیا یہ اخبار تحریک پاکستان کے دوران مسلم عوام کی امنگوں اور امیدوں کا ترجمان تھا۔ بے باکانہ صحافت کی بنا پر کئی بار مولانا ظفر علی خان کو جیل کی سزا بھی بھگتنا پڑی لیکن اپ امید کی وہ کرن تھے جس کی روشنی سے آزادی کا سفر آسان تر ہوتا چلا گیا۔ ان کے رنگِ شعر کا جادو اور عزمِ صمیم کی صدائیں ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل گئیں۔

نغمہ آزادی کا گونجے گا حرم و دیر میں

وہ جو دار الحرب ہے دار الاماں ہو جائے گا

ہم کو سودا ہے غلامی کا کہ آزادی کی دھن

چند ہی دنوں میں ہمارا امتحان ہو جائے گا

تحریکِ پاکستان کے دوران صحافتی میدان میں بھی اردو زبان کا حصہ ناقابل فراموش ہے۔ اردو زبان میں بے شمار اخبارات، رسائل اور جرائد شائع ہوتے رہے ان اخبارات میں تہذیب الاخلاق، آگرہ اخبار، شمس الاخبار، دل گداز میں شائع ہونے والی تحریروں نے نظریہُ پاکستان کو متعارف کروانے میں اہم کردار ادا کیا۔ معروف دانشور ڈاکٹر معین الدین عقیل اپنی کتاب "مسلمانوں کی تحریکِ آزادی" صفحہ نمبر 206 پر لکھتے ہیں:

"برصغیر کے مسلمانوں میں اجتماعی روح پیدا کرنے، ان کے ملی اور قومی شعور کو بیدار کرنے، ان کے مردہ دلوں کو حرارت سے آشنا

کرنے میں اردو زبان و ادب نے جو اہم کردار ادا کیا وہ بہت موثر اور نتیجہ خیز ثابت ہوا"۔

تحریکِ آزادی کے حوالے سے اردو زبان کے کردار کے بارے میں جہاں کئی حوالے ملتے ہیں وہیں ایک باب خواتین نثر نگاروں ،شاعروں، مقرروں اور ادیبوں کا بھی ملتا ہے۔ اس سلسلے میں نور الصباح بیگم کی کتاب "تحریکِ پاکستان اور خواتین "بنیادی حوالے کے طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ جس میں انہوں نے بی اماں، بیگم جہاں آراشاہنواز، بیگم اقبال حسین، وحیدہ نسیم، خورشید آرا بیگم اور دیگر خواتین رہنماؤں کے حالات قلم بند کیے ہیں۔

ڈاکٹر چندر شیکھر اپنے ایک مضمون تحریکِ آزادی اور اردو ادب کا حصہ میں لکھتے ہیں:

تحریک آزادی کے علمبرداروں نے اگر یورپ میں تعلیم حاصل کر کے انگریزی زبان سیکھ کر ملت کو ایک راہ پر گامزن کیا تو اس قوم اور ملت کو یکجا کرنے کا سہرا اردو زبان ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ اردو زبان ہندوستان کے تمام لوگوں کی مشترکہ زبان رہی ہے اس لیے تحریک آزادی کی اگر کوئی زبان تھی تو وہ دراصل اردو ہی تھی"۔

اس مختصر سی بحث کے بعد ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ اردو زبان کا تحریکِ پاکستان میں حصہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اگر یہ کہا جائے کہ اردو زبان اور دو قومی نظریہ لازم وملزوم تھے تو غلط نہ ہوگا۔

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ

سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

مقابلہ مضمون نویسی (نفاذ اردو، کیا، کیوں اور کیسے) میں جیتنے والے اہل قلم



آمنہ روشنی، طالبات میں اول



روبینہ یاسمین (اول)



مفتی امجد یاسین سوم



عبد الحفیظ شاہد دوم



مولانا عبد الغفور طاہری سوم



محمد نبیل دوم (طلبہ)

عفت بتول

طالبات (ابتدائی)

میں اول

شایان امسا زہرہ

طالبات (ابتدائی)

میں دوم



تحریک پاکستان میں اردو کا کردار۔۔فخر الزمان سرحدی ہری پور

قومی زبان اردو کی اہمیت اس قدر گویا یہ فطرت کی ترجمان ہے۔اس کے بولنے میں ہم سب کی جان ہے۔اردو قومی زبان ہے اس لیے اس کا عملی نفاذ بھی ضروری ہے۔کیونکہ :

نسلی رشتوں کی نگہبان۔۔۔اردو قومی زبان ہے ہماری

شہد و شکر سے میٹھی۔۔۔اردو قومی زبان ہے ہماری

آباء کی ترجمان۔۔۔۔اردو قومی زبان ہے ہماری

اساس ملت ہے۔۔۔اردو قومی زبان ہے ہماری

گویا اس کی اہمیت وافادیت مسلمہ ہے۔وہ قوم منفرد حیثیت رکھتی ہے جو اپنی قومی زبان میں اظہار خیال کرتی ہے اور آئندہ نسلوں کو بھی اس کی اہمیت سے آگاہ کرتی ہے۔یہ بات توروز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قومی اور ملی یکجہتی کو اردو زبان کی مٹھاس اور خوشبو سے رعنائی ملتی ہے۔یہ احساس تورہ رہ کر بے تاب رکھتا ہے کہ یہ عظیم اور میٹھی زبان اردو جو تحریک پاکستان میں ہمارے اکابرین کا ذریعہ اسلوب بیان تھی اس کی بدولت تحریک پاکستان میں جان پڑتی گئی اور قوم کے وجود میں ایک تحریک پیدا ہوئی۔شعراء،ادباء،سیاسی رہنما، قائدین تحریک پاکستان اور علمائے کرام نے اردو زبان کے ذریعے ایک الگ مملکت کی تحریک میں جان پیدا کی۔یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ تحریک پاکستان میں کامیابی یعنی قیام پاکستان تک کلیدی کردار قومی زبان اردو نے ادا کیا۔اس کے پس منظر میں وقت کی ضرورت ہے کہ اس کا مکمل نفاذ عمل میں لایا جائے۔اس ضمن میں یہ بات زور دے کر کہی جا سکتی ہے کہ پاکستان کے باشندوں کی قومی زبان اردو ہے۔اس لیے دفاتر سے مدارس تک، تعلیمی اداروں میں بھی قومی زبان اردو کا نفاذ ضروری ہے۔وہ قوم کبھی ترقی کی منزلیں طے نہیں کر پاتی جس کی اپنی کوئی قومی زبان نہ ہو۔موجودہ عہد میں ترقی کے بے شمار ذرائع ہیں اور سب سے معتبر ذریعہ قومی زبان اردو ہے۔قومی سوچ اور فکر میں نمایاں تبدیلی قومی زبان اردو کے نفاذ اور بول چال سے ہے۔قومی زبان اردو ذریعہ تعلیم ہونے سے صورتحال نتیجہ خیز سامنے آتی ہے۔قومی سطح پر مثبت سوچ وفکر کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ملی تقاضوں سے ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔اگر بحیثیت پاکستانی ایک کامیاب راستہ کا انتخاب کرنا ہے تو قومی زبان ردو کا مکمل نفاذ ضروری ہے۔اس قومی زبان اردو کے نفاذ سے اسلوب بیاں اور طرز نگارش میں اور بھی حسن پیدا ہوتا ہے۔وہ قوم عصری مسائل اور چیلنج کا مقابلہ کر پاتی ہے جسے قومی زبان پر مکمل عبور حاصل ہو۔اس لیے ہر فورم پر قومی زبان اردو کا استعمال اور نفاذ ہونے سے بہتر نتائج بر آمد ہوتے ہیں۔قومی زبان اردو کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے ادیب،شاعر،کالم نگار، مفکرین کردار ادا کریں۔تاکہ مکمل یکجہتی کی فضا پیدا ہو۔اردو قومی زبان کی حیثیت سے ترجمانی کا کردار بہتر انداز سے کر پاتی ہے بشرطیکہ اس کا مکمل نفاذ ہو۔قومی اور ملی تقاضوں سے ہم آہنگی اور عصری منظر نامہ اس بات کا متقاضی ہے کہ قومی زبان اردو ہر ادارہ اور درسگاہ میں نافذ ہو اور ذریعہ اظہار وطریقہ تدریس ہو۔اس کے بہت اچھے اور مثبت اثرات بر آمد ہوں گے۔ایک مثالی قوم بننے کے لیے قومی زبان اردو کا نفاذ لازم ہے